www.novelsclubb.com
HEALME
Heal me
By Laiba Syed

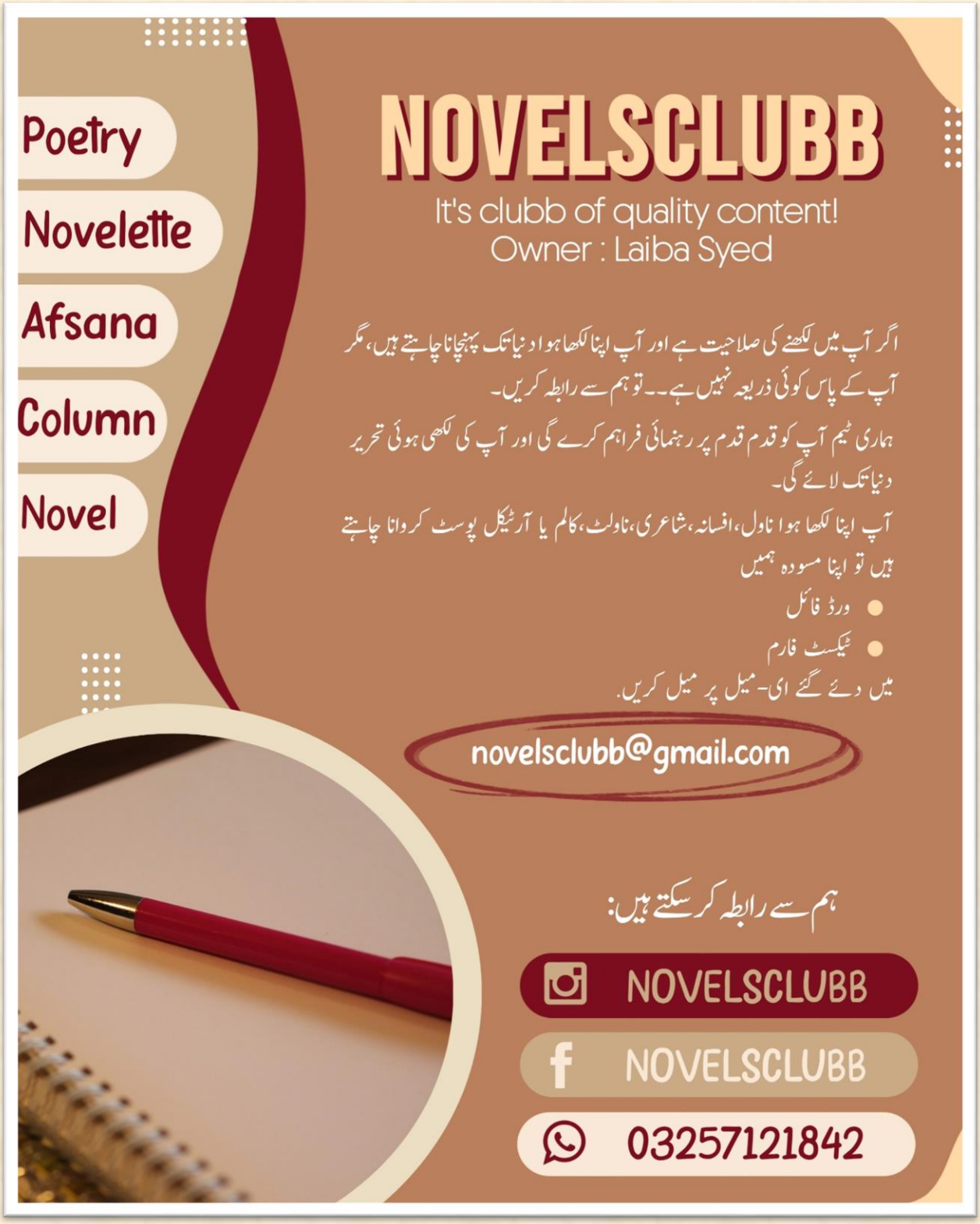
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

ہیل می

از قلم

لائبہ سید

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ناول "ہیل می" کے تمام جملہ حق لکھاری "لائبہ سید" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ "ناولز کلب" کا پی ڈی ایف بغیر اجازت پوسٹ کرنا منع ہے، بغیر اجازت کہانی/پی ڈی ایف کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جاسکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

Trigger Warning:

Novel Heal Me by Laiba Syed contains scenes of bloodshed and intense emotional distress. Readers with a sensitive heart or those who may find such content triggering are advised to proceed with caution or refrain from reading.

ٹریگر وارننگ:

ناول Heal Me از لائبہ سید میں خونریزی اور شدید جذباتی مناظر شامل ہیں۔ حساس دل رکھنے والے قارئین یا وہ افراد جو ایسے مواد کو پریشان کن سمجھتے ہوں، احتیاط سے پڑھیں یا اس کے مطالعے سے گریز کریں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ہیل می از لائبہ سید"

پنجاب کا وہ نواحی گاؤں جہاں رات نے جنگل کے ساتھ مل کر ماحول کی پراسراریت میں اضافہ کیا تھا۔ دسمبر کی وہ ٹھٹھرتی گہری خاموش رات کئی رازوں کی گواہ تھی۔ دھند نے ہر شے کو اپنی آغوش میں لپیٹ رکھا تھا۔ گاؤں کے ایک طرف گھنا جنگل اور دوسری طرف ایک ندی تھی تھا جو بڑے پر سکون طریقے سے بہتی ماحول کو عجیب پراسرار بناتی تھی۔ دھند د میں لپٹا گاؤں جہاں کسی کسی گھر میں چراغ جل رہے تھے، کہ دھند میں ان کی روشنی بھی واضح نہیں تھی۔ گاؤں کی ان ٹھیڑھی میڑھی گلیوں میں کھڑے ہو کر ارد گرد نگاہ دوڑائیں تو وہاں درمیانی طرز کے تعمیر شدہ مکانات نظر آئیں گے، کچھ بلند و بالا عمارتیں جن میں قندیلیں روشن تھیں۔ ذرا جنگل کی طرف چلیں تو آپ کو دھیرے دھیرے کچھ آوازیں سنائی دیں گی، عجیب خوف بھری آوازیں۔ کچھ قدم اور آگے ہوں تو منظر تھوڑا سا واضح ہوتا ہے، وہاں ایک

کھلے میدان میں کچھ جگھیاں موجود ہیں۔ جبکہ اس میدان کے ساتھ ہی گہرا سناٹے والا قبرستان ہے۔ قبرستان اور جگھیوں کے میدان کو ایک لکڑیوں کی بھاڑ کی مدد سے الگ کیا گیا ہے۔ قبرستان کے بیچ و بیچ آگ جلتی بڑی واضح دکھائی دے رہی ہے، جبکہ اس کے ارد گرد کچھ ہیولے نظر آرہے ہیں، غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مرد شراب کی بوتلیں پکڑے اس مشروب سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ پاس کسی جھگی سے کسی مرد کے چیخنے کی آواز آ رہی تھی، جوں جوں پاس جائیں تو وہ آواز بہت واضح سنائی دے رہی تھی۔

"کتیا، تو دو روٹیوں کے لیے اس چوہدری کے ساتھ سو گئی، حرام خور۔" ملگجے حلیے والا وہ مرد جس نے تن پر ایک چادر لپیٹ رکھی تھی جو جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی، نیچے پڑی ایک عورت پر چیخ رہا تھا۔ جھگی میں ایک طرف گندے لحافوں میں دو بچے لپٹے تھے۔

"یہ، یہ لڑکی بھی اس کی ہی ہے نا؟ اور کس کس کے ساتھ سوئی ہے تو بتا مجھے۔" اس مرد نے سرخ و سفید رنگت اور کمزور وجود والی عورت کو بالوں سے پکڑ کر کھینچا، وہ بس روتے ہوئے ہاتھ جوڑتی جا رہی تھی۔

"اس گند کی پوٹلی کو تو میں آج مار کر رہوں گا۔" اس مرد نے آگے بڑھ کر اس چند ماہ کی بچی کو گردن سے جکڑ لیا، آس پاس کی سب جھگیوں میں اس بچی کے رونے کی تیز آواز پھیل گئی۔

"نا۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔ مجیدے اسے نہ ماریں، معصوم بچی ہے وہ۔" وہ عورت روتے ہوئے اس سے بچی چھیننے لگی، "اتنا ظلم نہ کر مجیدے، یہ تیری بیٹی ہے، خدا کی قسم یہ تیری بیٹی ہے۔" وہ عورت روتے ہوئے اس کے پیروں میں گر گئی۔ اس مرد نے چند پل اس بچی کو دیکھا، اس کی تیسری بیٹی بالکل اپنی ماں پر گئی تھی، اس کی ماں ساری جھگیوں میں سب سے خوبصورت عورت تھی۔ گورے نین نقوش کی حامل وہ کمزور سی بچی پوری قوت سے رو رہی تھی۔ دوسری نظر اپنے پیروں میں گری عورت پر ڈالی اور اس بچی کو اس پر پھینک کر جھگی سے نکل گیا۔ اس عورت نے روتے ہوئے بچی کو سینے سے لگا لیا، زار و زار روتے وہ دوسرے دونوں بچوں کو بھی اپنی آغوش میں چھپا گئی۔ بستر میں دو لڑکیاں تھیں، ایک پانچ سال کی اور دوسری چھ سال کی۔

"یوسف کہاں ہے؟" چند پل بعد اس عورت کو اپنے بڑے بیٹے کا خیال آیا۔

"پتہ نہیں امی! بھائی تو شام سے گھر نہیں آیا۔" اس کی بڑی بیٹی سہمے سے لہجے میں بولی، عورت پریشان ہو کر کبھی جھگی کے پردے کو دیکھتی کبھی ان بچیوں کو، وہ انہیں چھوڑ کر بیٹے کو ڈھونڈنے نہیں جا سکتی تھی، اور نہ ساتھ لے جا سکتی تھی۔ بس صبر کر کے جھگی کی دیوار سے ٹیک لگا گئی۔

oooooo

دوسری طرف وہ مرد جو چند پل پہلے شراب پی رہے تھے، اب اس کے اثرات کا شکار ہو کر وہیں مدہوش ہو کر گر چکے تھے۔ دور قبروں کے پیچھے چھپی ان دو آنکھوں نے جب دیکھا کہ مرد مدہوش ہو کر لیٹ گئے ہیں تو وہ وجود دھیرے دھیرے آگے بڑھا، پیروں میں قینچی چپل پہنے، پتلی لمبی برہنہ ٹانگوں والا وہ وجود، جس کے تن پر ایک نیکر تھی اور اس کے اوپر ایک شرٹ جس کے چیتھڑے اڑے ہوئے تھے، وہ اتنی ٹھنڈ میں بھی ٹھٹھر نہیں رہا تھا، وجہ صرف وہ شے تھی جس کی تاک لگائے وہ بیٹھا تھا۔ اس وجود کی عمر لگ بھگ دس سال تھی، سیاہ رنگت والا وہ لڑکا، ادھر ادھر دیکھتا دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس دائرے کی طرف بڑھا اور نظریں گھمانے لگا، وہاں سات مرد تھے جن کے پاس تین بوتلیں تھیں اور وہ

شاید ساری ختم کر چکے تھے، وہ لڑکا روز اس بوتل کی تلاش میں آتا تھا، آیا ایسا کیا ہے اس میں کہ یہ مرد اسے پی کر اتنے مدہوش ہوتے ہیں کہ انہیں کوئی آواز بھی سنائی نہیں دیتی۔ وہ بھی چکھنا چاہتا تھا، کچھ آوازوں کو دبانا چاہتا تھا۔ دو ہفتوں سے وہ ناکام لوٹ رہا تھا مگر آج شاید قسمت مہربان تھی، اسے ایک بوتل میں تھوڑا سا مشروب نظر آ گیا تھا۔ آنکھوں میں چمک لیے اس نے وہ بوتل پکڑ لی۔ اس میں تقریباً تین سے چار گھونٹ کا مشروب تھا، بچے نے بوتل پکڑی اور اپنی سابقہ جگہ پر جا کر بیٹھ گیا۔ کانپتے ہاتھوں سے بوتل کو چاروں طرف سے دیکھا، وہ گہرے بھورے رنگ کی کانچ کی بوتل تھی یا شاید سیاہ رنگ کی تھی۔ اس نے ناک کے قریب کر کے سونگھا اور فوراً پیچھے کیا، اسے وہ بدبو پسند نہیں آئی تھی۔ دھڑکتے دل سے اس نے بوتل منہ کو لگا لی۔

یخ۔۔ اگلے ہی پل وہ بوتل نیچے پھینک گیا، وہ مشروب جو بھی تھی نہایت کڑوا تھا، اسے لگا اس کی زبان کٹ گئی ہے۔ لڑکے نے منہ بھر کر زمین پر تھوکا، اور بے ساختہ آستین سے زبان صاف کی مگر ذائقہ نہ گیا، بوتل اب زمین پر پڑی تھی۔ تبھی اسے جھگیوں سے کسی بچی کے رونے کی آواز آئی تو اسے یاد آیا کہ وہ یہ مشروب کیوں پینا چاہتا ہے، وہ آواز دھیرے دھیرے بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک درد کی لہر اسے اپنے سر کی پچھلی جانب پھیلتی محسوس ہوئی،

اس لڑکے نے یک دم وہ بوتل منہ سے لگائی اور سارا مشروب پی گیا، اور بوتل نیچے پھینک دی، اسے لگا اس نے تیزاب پی لیا ہے۔ وہ مشروب جہاں جہاں سے گزر رہا تھا اسے اپنی انتڑیاں کٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ چند پل اس تکلیف سے دوچار ہوتا رہا اور پھر ہوش و حواس سے بیگانہ ہوتا ایک طرف کو لڑھک گیا۔ ساری رات گزر گئی، اور اگلا دن چڑھ آیا، سورج اپنی آدھی عمر گزار چکا تو اس وجود میں ہلکی ہلکی جنبش ہوئی، دھیرے سے اس نے آنکھیں کھولیں اور پھر اٹھ کر بیٹھ گیا، سر گھوم رہا تھا۔ وہ غائب دماغی سے ارد گرد دیکھتا رہا، وہ دائرہ جہاں رات وہ مرد بیٹھے تھے، اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ دھیرے دھیرے وہ حواسوں میں آیا تو گزشتہ رات یاد آئی، وہ بوتل ابھی بھی پاس پڑی تھی۔ گاؤں کی مسجد میں ظہر کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ وہ ایک دم خوش ہو گیا، یہ مشروب تو بہت کام کا تھا، وہ اتنی گہری نیند سو یا رہا اور کوئی آواز بھی نہیں آئی۔

نہ ماں کے رونے کی، نہ بچی کے رونے کی، نہ باپ کے گالیاں نکالنے کی۔۔

واہ۔ یہ کمال تھا۔ بہت کمال۔۔

وہ اٹھا،اور سرشاری سے چلتا اس جھگی کی جانب بڑھا،دس سالہ یوسف مجید کو رات کا انتظار تھا تاکہ وہ پھر سے وہ بوتل چرا سکے۔

oooooo

اگلا پورا ہفتہ یوسف کے لئے بہت خوش قسمتی والا تھا کیونکہ اسے ہر رات ہی اس مشروب کی بوتل مل رہی تھی،اب تو اسے وہ کڑوا بھی نہیں لگتا تھا۔وہ بڑے شوق سے پینے لگا تھا۔مسلہ تو تب ہوا جب ساتویں دن اسے بوتل نہ ملی،ساتواں،آٹھواں،نواں اور اب تو حد ہو گئی کہ دسویں دن بھی اسے بوتل نہ ملی۔وہ سرخ آنکھیں لئے اسی قبر کی اوٹ میں بیٹھا انہیں پیتے ہوئے دیکھ رہا تھا،دل کیا بھاگ کر جائے اور ان سے ایک بوتل چھین کر لے آئے،اسے تو رات کو نیند بھی نہ آئی،ساری رات اس نے اپنی برہنہ ٹانگوں کو کھجاتے گزاری تھی۔رات کو جھگیوں سے آتی اس مرد کی گالیوں کی آوازیں،بچی کے رونے کی آوازیں،ایک عورت کے منتیں کرنے کی آوازیں۔۔اس کے سر کی پچھلی جانب درد شدت اختیار کرتا جا رہا تھا،دن چڑھ آیا اور رات شاید گاؤں میں کہیں فوتگی ہوئی تھی،چند لوگ کدال لئے قبرستان کی

طرف آئے اور قبر کھودنے لگے، یوسف لڑکھڑاتے قدموں سے جھگیوں کی طرف بڑھا۔ اندر اس کا باپ ابھی بھی اس کی ماں کو مار رہا تھا۔

"سالی کتیا۔" اس کی دونوں بہنیں جھگی کے باہر تھیں، ایک دوسرے کی آغوش میں چھپی ہوئی، وہ ان کے سر پر کھڑا تھا جب اس کا باپ اندر سے نکلا، قمیض پہنتے اس نے ایک نظر ان تینوں کو دیکھا اور منہ بھر کر گالی دیتا وہاں سے چلا گیا۔ یوسف کو اندر نہیں جانا تھا، اسے کسی ایسی جگہ جانا تھا جہاں سکون ہو، اور سکون کہاں ہے؟؟

آس پاس کی جھگیوں والے اب اٹھ کر چولہوں کے آگے بیٹھ گئے تھے، وہ راہ میں پڑے ایک پتھر کر ٹھوکر مارتا آگے بڑھ گیا۔ بس یونہی بے دھیانی میں چلتا وہ چوہدریوں کے ڈیرے پر پہنچ گیا۔ اس کی ماں وہاں کام کرتی تھی اور وہ بھی ماں کے ساتھ اکثر وہاں آجاتا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر مرغیوں کا ڈربہ کھول دیا، اور پاس پڑے تھیلے میں سے گندم نکال کر انہیں ڈال دی۔ ایک مرغی جس کے دس بارہ چھوٹے چھوٹے چوزے تھے انہیں لے کر جانوروں کے گوبر والی جگہ پر چلی گئی۔ یوسف اس کے پیچھے بھاگا، اگر مرغی گم جاتی تو چوہدری اسے مار مار کر اس کا بھرتہ بنا دیتا، وہاں بنی جانوروں کی کھرلی کے کنارے پر بیٹھ کر وہ چوکنا انداز میں ارد گرد

دیکھ رہا تھا کہ کہیں کوئی بلی نہ آجائے۔ایک چوزہ ماں سے بچھڑ کر جھاڑیوں کی طرف گیا، یوسف نے ایک نظر مرغی کو دیکھا اور اس چوزے کے پیچھے بھاگا، مگر سامنے نظر آنے والے منظر نے اسے قید کر لیا، ایک بڑا سیاہ رنگ کا بلا، اس چھوٹے سے چوزے کی تاک لگائے ہوئے تھا، اس سے پہلے یوسف اسے کچھ کہتا بلے نے جھپٹ کر اس چوزے کو منہ میں دبوچ لیا، ماحول میں چوزے کی چوں چوں بلند ہوئی، چوزے کی ماں اس طرف بھاگی مگر وہ بلا چھلانگ مار کر منڈیر پر بیٹھ گیا، وہ چوزا ابھی تک اس کے منہ میں تڑپ رہا تھا، اس کی گردن بلے کے لمبے نوکیلے دانتوں کے نیچے تھے، اس سے پہلے یوسف آگے بڑھ کر اسے روکتا، بلے نے چوزے کی گردن پر ہلکا سا دباؤ دیا، وہ شاید بہت بھوکا تھا اس لیے کسی پر سکون جگہ پر جانے کی بجائے وہیں کھڑے ہو کر کھانے لگا، ذرا سا دباؤ دینے سے چوزے کی نازک ہڈی کے ٹوٹنے کی آواز بہت بلند تھی۔ کھرلی کے کنارے پر کھڑے یوسف نے ہڈی کے چٹخنے کی آواز واضح سنی تھی، اس کے پیچھے کھڑی مرغی مسلسل چلا رہی تھی۔ یوسف نے پھر بلے کو دیکھا، اب کی بار بلے نے چوزے کے پیٹ پر پنجہ رکھا اور گردن کا جو حصہ دانتوں میں تھا اسے اکھیڑ ڈالا، گرم گرم خون کے کئی چھینٹے یوسف کے چہرے پر پڑے، بلا مصروف انداز میں چوزے کو کھا رہا تھا۔ اور وہ آواز۔۔ یوسف کے کانوں کو وہ آواز اتنی بھلی لگی کہ چند پل کو وہ ساری

آوازیں بھول گیا، چند منٹوں میں بلے نے چوزا ختم کیا تو یوسف کا تسلسل ٹوٹا، اس نے نظریں پھیریں تو معلوم ہوا کہ اس کا درد غائب ہو چکا تھا۔

کمال است۔۔یہ تو اس مشروب سے بھی زیادہ دلچسپ تھا۔وہ لبوں میں مسکراہٹ چھپائے واپس پلٹ گیا۔مرغی نم آنکھوں سے ابھی بھی اس منڈیر کو دیکھ کر چیخ رہی تھی جہاں کچھ دیر پہلے بلا اس کے بچے کو کھا رہا تھا۔

ooooooo

یوسف کو اپنا درد بھگانے کا نیا طریقہ مل گیا تھا، گاؤں سے دھیرے دھیرے چوزے، مرغیاں، اور پرندے غائب ہونے لگے۔بڑی بڑی خونخوار بلیاں، کتے یوسف کے دوست بن گئے، یہ سلسلہ سال ڈیڑھ سال تک چلا۔وہ ایک جانور کو چھپا کر کسی کتے یا بلے کے پاس لے جاتا، اب تو اسے ان کی چونچ اور ٹانگیں باندھنے کا طریقہ بھی آ گیا تھا، وہ انہیں باندھ کر ان کے آگے پھینک دیتا اور پھر سکون سے وہ منظر دیکھتا کہ کتے اور بلیاں انہیں کیسے کھاتے ہیں، اسے یہ سب بہت دلچسپ لگتا تھا، ساری آوازیں، گالیاں، سر کے پچھلے حصے کی درد، سب غائب ہو جاتا تھا۔ابھی بھی وہ ایک ریڑھی کے نیچے چھپا بیٹھا تھا، اس نے ابھی ابھی ایک نیا تازہ کبوتر لا کر

کتے کے سامنے پھینکا تھا، کتے نے مشکور نظروں سے اسے دیکھا اور پوری طاقت سے دانت کبوتر کے وجود میں گاڑھ دیئے گویا جانتا ہو کہ اس کے مالک کو یہ عمل کتنا پسند ہے۔ سفید رنگ کا وہ کبوتر دھیرے دھیرے سرخ رنگت اختیار کرنے لگا۔

آہ! وہ چہرے پر بڑے جوشیلے تاثرات سجائے اس منظر کو دیکھ رہا تھا گویا اس کا پسندیدہ پروگرام چل رہا ہو۔ وہ انتڑیوں کے پھٹنے کی آواز، وہ گوشت کے کچلے جانے کی آواز، وہ خون چاٹنے کی آواز اور خون کی خوشبو۔۔ آہ!

ooooo

وہ تیرہ برس کا ہوا تو گاؤں بہت بدل چکا تھا۔ وہ خود بھی تو بدل چکا تھا، اونچا لمبا قد، وہی پتلی جسامت، چہرے پر اگنے والی مونچھیں، سیاہ رنگت اور چہرے پر کہیں کہیں پڑتے کھڈے، یہ اسے آج تک سمجھ نہیں آیا تھا کہ کیوں اور کیسے پڑے۔

گاؤں والے اب جانوروں کا بڑا خیال کرنے لگے تھے۔ اب جانور لے کر آنا بڑا مشکل تھا، وہ اب باقاعدگی سے چوہدری کے ڈیرے پر جاتا تھا، اس کی بھینسوں اور باقی جانوروں کی زمہ داری اس پر تھی، گھر کا ماحول ابھی بھی ویسا ہی تھا۔ پچھلے ایک مہینے میں اسے صرف دو

مرغیاں اور تین کبوتر ملے تھے، اور اب دھیرے دھیرے اس کے سر کا درد بڑھنے لگا تھا۔ اب تو اس کی بہن بھی نہیں روتی تھی مگر نجانے کیوں اس کے کانوں میں آوازیں آتی تھیں۔ آج جب درد شدت اختیار کر گیا تو وہ اس نے پھر قبرستان کا رخ کیا، ایک آوارہ کتے نے اسے قبرستان جاتے دیکھا تو اس کے پیچھے چلا آیا، گویا وہ اسے پہچانتا ہو۔ قبرستان میں آج بھی کچھ مرد بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ جب وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے تو وہ ان کی طرف بڑھا، مگر جس قبر کی اوٹ میں وہ چھپا تھا، اس پر پاؤں رکھتے ہی اس کا پاؤں اندر دھنس گیا، وہ ایک دم لڑکھڑا سا گیا۔ کتا بھی چوکنا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ یوسف نے پاؤں باہر نکالا اور ایک نظر کتبے پر ڈالی، وہ کل دفنائی گئی عورت کی قبر تھی۔ یک دم اس کے ذہن میں ایک خیال کوندا اور اگلے ہی لمحے وہ پاگلوں کی طرح وہ قبر کھود رہا تھا۔ کتے نے اسے دونوں ہاتھوں سے قبر کھودتے دیکھا تو خود بھی اگلے پنجوں سے مٹی کھودنے لگا، کچھ ہی دیر میں وہ قبر کھود چکا تھا، سامنے ہی سیمنٹ کی بنی کچھ سلیٹیں تھیں، اس نے وہ ہٹائیں تو چاندنی رات میں اس کی نظر سفید کپڑے میں لپٹی اس لاش پر گئی، اس کے دل میں خوف ایک دستک دے کر پلٹ گیا، گویا اپنی موجودگی کا احساس دلا کر گیا۔ اس نے سر جھٹکا اور اس عورت کو باہر نکالا، اس کے کپڑے کے

گرد بندھی وہ گرہ کھولی، تو سامنے ایک جوان عورت کا چہرہ تھا جس کے ناک کے نتھنوں میں سفید روئی تھی۔ وہ عورت بہت خوبصورت تھی۔ نجانے کون تھی۔۔

کتا دم ہلاتا مالک کے ارد گرد چکر کاٹنے لگا، یوسف نے وہ سارا کپڑا ہٹا کر اس کا وجود ننگا کر دیا، کتے کو گویا اشارہ مل گیا اور وہ ایک دم اس وجود پر جھپٹ پڑا، وہ نوچ نوچ کر اس عورت کو کھانے لگا مگر یوسف کو مزہ نہ آیا، نہ خون کی خوشبو فضا میں پھیلی اور نہ ہی خون اور گوشت کے کچلے جانے کی آواز کانوں میں پڑی۔

افف اتنی محنت ضائع ہو گئی۔ وہ بے دلی سے جھگیوں کی طرف بڑھ گیا۔ جبکہ وہ کتا سیر ہو کر کھانے کے بعد اب باقی ساتھیوں کو بھی بلا لایا تھا۔ چار پانچ کتے مل کر اس وجود کو نوچ رہے تھے جسے صبح لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ: "اف یہ کتنی گناہگار تھی، خدا نے اسے سزا دی ہے۔"

ooooooo

وہ جھگی میں داخل ہوا تو باپ اس کی ماں کو مار رہا تھا، اس نے ارد گرد دیکھا، اس کی دونوں بہنیں نہیں تھیں، جبکہ وہ ہمہ وقت ادھر ہی پائی جاتی تھیں۔

"کہاں ہیں میری بیٹیاں مجیدے؟ بتا مجھے کہاں ہیں وہ؟" اس کی ماں چیختے ہوئے اس کے باپ کا گریبان تھام گئی۔

"مردوں کے ساتھ سونے والی عورت اب میرا گریبان پکڑے گی، ہاں؟" وہ غیض و غضب سے آگے بڑھا اور اسے مارنے لگا۔

"گاؤں کا کوئی ایسا مرد نہیں جس کے ساتھ تو نہ سوئی ہو کمینی عورت! تجھے لت لگ گئی ہے نئے مردوں کی۔" وہ اس کی چٹیا کو دبوچ کر اس کے منہ پر غرایا

"میں صرف چند روٹیوں کے لیے یہ کرنے پر مجبور ہوں مجیدے، اور تو نے مجھے ان کے بستروں تک پہنچایا ہے۔" وہ چیخ کر بولی

"تو روٹیوں کے لیے ان کے بستر گرم کرتی تھی اب یہ کام تیری بیٹیاں کریں گی، تو تکلیف کس بات کی ہے تجھے؟" وہ اسے جھٹکا دے کر پھینک گیا۔

"وہ تیری بھی بیٹیاں ہیں، کچھ خدا کا خوف کر۔" وہ چیختے ہوئے اپنے بال نوچنے لگی۔

"میری تھیں اور میں بیچ آیا، بات ختم۔۔" وہ ایک نظر اپنے کندھوں تک آتے بیٹے پر ڈال کر جھگی سے نکل گیا، اس کی ماں دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ اسے شاید بیٹیوں سے بہت

پیار تھا۔اس کی سب سے چھوٹی بہن ایک کونے میں دبکی ماں باپ کو دیکھتی مسلسل رو رہی تھی۔یوسف نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا اور پاس والی دکان پر لے گیا، وہ اکثر اسے وہاں لے جاتا تھا۔واپسی پر ایک کتے کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا، اور منہ سے عجیب سی آوازیں نکالنے لگا، یوسف اس کی زبان سمجھ رہا تھا، وہ شاید کل رات والی دعوت نہیں اڑا سکا تھا اور اب اس سے شکوہ کر رہا تھا۔یوسف نے دکاندار سے ایک بسکٹ لے کر بہن کو پکڑا دیا اور دوسرا جیب میں ڈال لیا۔کچھ دور جا کر اس نے بسکٹ کتے کو ڈالا مگر وہ نرم گرم گوشت کھانا چاہتا تھا۔

"میں نے سنا کل تیرا باپ تیری بہنوں کو چوہدری کو بیچ آیا؟ پہلے ماں اس کا بستر گرم کرتی تھی اب انہیں کریں گی۔واہ واہ۔" کوئی راہ چلتا آدمی اسے روک کر سوال کرنے لگا، یوسف نے غصے سے اسے دیکھا۔

"گھور کیا رہا ہے دلال کی اولاد، یہ جس کو گود میں اٹھایا ہے اسے کب تک بھیجنا ہے چوہدریوں کے ڈیرے پر؟ ایسا کر اسے مجھے بیچ دینا میں تجھے چوہدری سے زیادہ پیسے دوں گا۔" وہ اس کا کندھا دبا کر بولا اور ساتھ ہی قہقہہ لگا گیا آس پاس کھڑے کئی مردوں نے بھی قہقہہ

لگایا، یوسف ایک جھٹکے سے اپنا کندھا چھڑواتا وہاں سے بھاگ نکلا، جبکہ سر کے پچھلے حصے کا درد بڑھتا جا رہا تھا۔ بچی کے رونے، عورت کے رونے، مرد کے گالیاں بکنے کی آوازوں میں اب ان قہقہوں کی آوازیں بھی شامل ہو گئی تھیں۔ وہ بھاگتا گیا بنا سمت کا تعین کیے، بنا سوچے سمجھے۔ تب تک جب تک وہ آوازیں بند نہیں ہو گئیں۔ وہ کتا بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ بھاگتے بھاگتے وہ رک گیا اور سر اٹھا کر دیکھنے لگا، وہ شاید پچھلے آدھے گھنٹے سے بھاگ رہا تھا۔ اور اس وقت وہ گھنے جنگل میں موجود تھا، آس پاس بس جنگلی چرند پرند کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یک دم اس کی بہن کھلکھلائی، وہ شاید اس کے بھاگنے اور پھر یوں جنگل میں آنے پر بہت خوش ہوئی تھی۔ یوسف کے چہرے پر ایک مسکان آئی، وہ قلقاریاں مار رہی تھی اور اس کے سامنے نظر آتے دو دانت بہت بھلے لگ رہے تھے۔ یوسف نے اسے بسکٹ کھول کر دیا۔ تبھی اسے پیچھے سے کتے نے غرا کر اپنی موجودگی کا بتایا۔ یک دم اسے ان مردوں کے قہقہوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ نظریں خود بخود بازوؤں میں موجود وجود پر گئیں۔

"تو کیا اسے بھی اس کا باپ بیچ دے گا؟ وہ کیا کرے؟ کیسے بچائے اسے؟" ایسی کئی سوچیں اس کے دماغ میں گردش کر رہی تھیں۔ جبکہ سر کے پچھلے حصے کا درد پھر زور پکڑنے

لگا تھا۔کتے کی شکوہ بھری غراہٹ، بچی کی قلقاری، مردوں کے قہقہے، عورت کا رونا سب مل کر اس کا درد بڑھا رہے تھے اور پھر وہ جیسے کسی نتیجے پر پہنچا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے، اس طرح کتا بھی خوش، وہ بھی خوش اور وہ بچی بھی تو بکنے سے بچ جائے گی۔" اپنی سوچ کو حقیقت کے لبادے میں اتارتے ہوئے اس نے پلٹ کر ایک نظر ارد گرد دیکھا اور پھر بچی کو زمین پر لٹا دیا، وہ ابھی بھی قہقہے مار رہی تھی۔ کتا جیسے اس کا اشارہ سمجھ گیا۔ یوسف بنا پلکیں جھپکائے بچی کو دیکھ رہا تھا۔ اگلے ہی پل اس کا قہقہہ رک گیا اور پورا جنگل اس کی خوفناک چیخوں سے گونج اٹھا۔ کتے کے تین انچ جتنے نوکیلے دانت اس کی نرم گردن کے آر پار ہو گئے تھے۔ اس بچی کی آنکھیں الٹ گئیں، سیاہی گویا غائب ہو گئی۔ سفید پھولے گالوں والا چہرہ، اس کے منہ سے نکلتا خون۔ یوسف بڑی دلچسپی سے وہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ گردن اکھیڑنے کے بعد کتے کا اگلا نشانہ اس کا پیٹ تھا، ایک ہی وار میں وہ اس کی انتڑیاں تک کھینچ لایا تھا۔ یہ عمل کوئی دس منٹ بھی نہیں چلا جب اسے بھاری قدموں کی آہٹ سنائی دی، نظریں اٹھا کر دیکھا تو گاؤں سے کچھ لوگ بھاگے آ رہے تھے، وہ شاید بچی کی چیخیں سن کر بھاگے آئے تھے۔ یوسف نے ان سب کو دیکھا اور جنگل کہ طرف دوڑ لگا دی، جبکہ کتے نے کوشش کی کہ شکار منہ میں دبا کر بھاگ سکے، مگر نا ممکن تھا، اس نے بے دلی سے اس نرم گرم

گوشت کو وہیں چھوڑا اور اپنے مالک کے پیچھے ہی بھاگ نکلا۔ گاؤں والے توبہ توبہ کرنے لگے تھے۔اس کی ماں جس نے چار بچوں کو جنم دیا تھا اس کے پاس اب کوئی بھی نہیں رہا تھا۔

سالوں گزر گئے یوسف پلٹ کر نہ آیا،اس کی ماں پاگل ہو چکی تھی،حال سے بے حال وہ سارا دن گلیوں میں پھرتی اپنے بچوں کو ہی ڈھونڈتی رہتی تھی۔آنے والے سالوں میں یوسف مجید کہانی کا ایک کردار بن چکا تھا،مائیں رات کو بچوں کو سلانے کے لئے ڈراوے کے طور پر اس کا نام لینے لگی تھیں۔وقت کا پہیہ گھوما اور ہم ایک نئے دور میں داخل ہوئے۔

ooooooo

جامنی رنگ کا کیپری،جو اس دوشیزہ کے ٹخنوں سے کچھ اوپر تھا،ساتھ جامنی رنگ کی ہی قمیض پہنے،پہنا ہوا سفید کوٹ اسے ایک ڈاکٹر ظاہر کر رہا تھا۔کندھوں تک آتے وہ سنہری بال جنہیں پونی میں قید کیا گیا تھا،ایک سفید چمڑے کا بیگ دائیں کندھے سے لٹکائے وہ تھانے میں داخل ہوئی۔

"حسان! کیا اپڈیٹ ہے؟"وہ سرخ گالوں والی دوشیزہ کرسی سنبھالتے ہوئے بولی،

اے ایس پی حسان سکندر نے نظریں اٹھا کر اس کے معصوم چہرے کو دیکھا،

"ادینہ! تمہیں اس کیس میں نہیں پڑنا چاہیے۔" حسان اس کے چہرے سے نظریں چرا کر بولا

"کیوں؟ اب تم بھی ڈیڈ کی طرح بیہیو مت کرو پلیز۔" وہ فوراً ہی آنکھیں نم کر گئی۔ ایسی ہی تھی ذرا جو کام اس کی چاہت کے الٹ ہوتا تو رو رو کر آنکھیں سجا لیتی تھی۔ رونے کے لئے تو اسے ویسے بھی بہانہ چاہیے ہوتا تھا۔

"تم دونوں ایسے ہی کرتے ہو، مجھے کچھ بھی نہیں کرنے دیتے، نہ سکول میں اپنی پسند کی زندگی گزار سکی، نہ کالج میں، نہ یونیورسٹی میں، اب اگر ضد کر کے اپنی پسند کا پیشہ چن لیا ہے تو بھی اعتراض ہے تم لوگوں کو۔" زار و زار روتی وہ کہیں سے بھی چھبیس سالہ سائیکالوجسٹ نہیں لگ رہی تھی۔

"اچھا چلو رو مت، یہ کیس میں تمہیں دیتا ہوں۔" حسان کے کہنے کی دیر تھی کہ وہ خوش ہو گئی۔

Clubb of Quality Content

"لیکن تمہیں دھیان رکھنا ہے، سب سے پہلے اپنی حفاظت کرنی ہے اور پھر اس بات کا دھیان رکھنا ہے کہ یہ ایک قانونی معاملہ ہے، اور یہاں کچھ گڑبڑ ہوئی تو میں اور سکندر انکل، دونوں ہی تمہیں بچا نہیں سکیں گے۔" وہ اسے وارن کرنے والے انداز میں بولا

"اب تم طعنے مت دو پلیز، اور مجھے کیس کی ڈیٹیلز دو۔" وہ سر جھٹک کر بولی، انداز بچوں جیسا تھا

"ایک دو سال کی بچی کے مرڈر کا کیس ہے، بلڈنگ کی بیک سائیڈ پر بچی کی چیخیں سن کر لوگ وہاں پہنچے تو بچی خون سے لت پت وہاں پڑی تھی، اس کی گردن سے خون بہہ رہا تھا، نسیں کچلی جا چکی تھیں، بچی کے پاس سے ایک آدمی ملا تو لوگوں نے اسے پولیس کے حوالے کر دیا، بچی کے ماں باپ کا کہنا ہے کہ اس نے ہی یہ کام کیا ہے۔" حسان نے واقعے کی چند تصاویر اس کے سامنے رکھتے کہا۔ ادینہ جہانگیر ایک سائیکالوجسٹ تھی۔ بچپن میں ہوئے ایک واقع کے بعد اس کا باپ کافی ڈر چکا تھا اس لئے وہ اسے بس اپنے دامن میں چھپا لینا چاہتا تھا، اس کا باپ حد سے زیادہ حساس تھا۔ دوسری وجہ ادینہ کا بچگانہ رویہ بھی تھا، شاید اس کی

وجہ بھی اس کا باپ ہی تھا جو اسے آج بھی ایک بچی ہی سمجھتا تھا۔ جبکہ ادینہ کو اس کی فکر بس پابندی لگتی تھی۔

"بچی کی لاش پر جو دانتوں کے نشان ہیں وہ اس آدمی کے نہیں ہیں بلکہ کسی جانور کے ہیں، لیکن جائے وقوع پر کوئی جانور نہیں تھا، اب وہ بھاگ گیا یا کیا ہوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ بیک سائیڈ پر کوئی کیمرہ نہیں تھا۔ جہانگیر سر نے سائیکالوجسٹ کی ٹیم کو ہائیر کرنے کے لیے کہا ہے کیونکہ اس شخص کا رویہ تھوڑا عجیب ہے، نہ تو وہ کچھ بول رہا ہے اور نہ ہی رد عمل دے رہا ہے۔ بچی کی پوسٹ مارٹم رپورٹ آج آجائے گی تو واضح ہو جائے گا کہ وہ نشان کس کے ہیں۔" وہ تصویریں کو بغور دیکھتی حسان کی بات سن رہی تھی۔

"تم ڈاکٹر نعیم کی اسسٹنٹ کے طور پر کام کر رہی ہو، یہ بات انکل ابھی تک نہیں جانتے، میں نے تمہیں صرف تمہاری ضد اور خوشی کی وجہ سے ہائیر کیا ہے، پلیز کوئی گڑبڑ مت کرنا اور اپنا خیال رکھنا۔" ادینہ کے فادر علاقے کے ایس ایچ او تھے، جبکہ حسان اس کے بابا کے دوست کا بیٹا تھا۔

"تھینک یو سو مچ حسان! تم بہت اچھے ہو، بے فکر رہو میں کوئی گڑبڑ نہیں کروں گی۔"
وہ واقعی بڑی خوش تھی، حسان مسکرا دیا۔ آج تک اس کی خوشی کی چاہ ہی تو کی تھی اس نے۔

"نام کیا ہے اس کا اور کوئی بیک گراؤنڈ؟" ادینہ نے اس آدمی کی تصویر دیکھ کر کہا، سیاہ رنگت اور ہلکی داڑھی مونچھوں والا وہ شخص جس کی آنکھیں بہت گہری تھیں، چہرہ بذاتِ خود کئی راز افشاں کر رہا تھا مگر ادینہ جیسی لڑکی کا ان رازوں تک پہنچنا ناممکن تھا۔

"یوسف مجید، عمر تیس سال۔ کوئی بیک گراؤنڈ نہیں ہے، فلحال ایک نجی سکول میں چھوٹے بچوں کو پڑھاتا ہے، جبکہ اس کے گارڈین کے طور پر ایک آدمی کے نام ہے اور وہ آدمی پانچ سال پہلے مر چکا ہے، ابھی تک بس یہی تفصیلات ملی ہیں، باقی تمہاری ٹیم کے سپرد۔"
حسان نے اب کی بار اس آدمی کی فائل ادینہ کے سامنے رکھی۔

"میں ابھی مل سکتی ہوں اس سے؟" ادینہ نے دونوں فائلیں واپس بند کرتے سوال کیا

"ہاں کیوں نہیں، آؤ میں لے چلتا ہوں تمہیں۔" حسان اٹھ کھڑا ہوا، اس کی تقلید میں چلتی وہ سیل تک پہنچی۔ اس وقت جیل میں بس وہی اکیلا تھا۔ حیرت تھی پاکستان کا جیل اور

خالی۔۔وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا، جبکہ سر گھٹنوں میں چھپا رکھا تھا۔حسان کے اشارہ کرنے پر تھانے دار نے لاک کھولا اور وہ اندر کی طرف بڑھی۔

"میں باہر ہی ہوں، پھر بھی خیال رکھنا۔"حسان نے اس کا ہاتھ تھام کر سرزنش کی تو وہ سر اثبات میں ہلا گئی۔

"السلام علیکم! مسٹر یوسف؟"وہ تھوڑا سا جھک کر بولی، سیل میں کوئی کرسی یا میز نہیں تھا،اس نے چند پل جواب کا انتظار کیا مگر اس وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔وہ بس ننگے پیروں کی انگلیوں کی اضطرابی حالت میں حرکت دیتا جا رہا تھا۔

"مسٹر یوسف؟"وہ پھر بولی لیکن وہ وجود اب بھی ساکت تھا۔جبکہ انگلیوں کی حرکت ابھی بھی جاری تھی۔

"مسٹر یوسف میں ایک ڈاکٹر ہوں، آپ پریشان مت ہوں، مجھے اندازہ ہے کہ آپ اس دن کے واقعے کے بعد صدمے میں ہیں، لیکن آپ پلیز تعاون کریں، میں یہاں آپ کی مدد کے لیے آئی ہوں۔"اب کی بار وہ اس سے چند قدم دور اس کے سامنے بیٹھ گئی۔کچھ قدم دور حسان کھڑا تھا۔یکدم اس کے پیروں کی انگلیوں کی حرکت ساکت ہوئی،اس نے ایک

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جھٹکے سے سر اٹھایا تو ادینہ کے سامنے سیاہ گہری نم آنکھوں والا چہرہ آیا، چہرے کی رنگت سیاہ تھی، ہلکی داڑھی مونچھیں اور چہرے پر کئی کھڈے تھے۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ اس کا دل لرزا، اگلے ہی پل وہ اس کی طرف بڑھا۔ ادینہ کی ایک دم چیخ بلند ہوئی، یوسف نے ادینہ کو دونوں بازوؤں سے تھام لیا، وہ ایک دم بیلنس کھوتی پیچھے کو گری، جبکہ یوسف بھی اس کے اوپر ہی گرا۔ حسان ایک دم حرکت میں آیا اور اسے چھڑوانے لگا، جبکہ دو حوالدار بھی آگے بڑھے۔

"ہیل می! پلیز ہیل می!" وہ روتا ہوا سر گوشی کر رہا تھا، مزاحمت کرتی ادینہ کی آنکھوں میں وہ سرخ روتی ہوئی آنکھیں ثبت ہو گئیں، کانوں میں وہ سر گوشی بار بار گونجنے لگی، ارد گرد سب ساکت ہو گیا۔

"پلیز ہیل می!" وہ پھر التجا کر رہا تھا، پکار میں تڑپ تھی، درد تھا، تکلیف تھی۔ وہ ساکت ہوتی اسے دیکھ رہی تھی جسے اب حسان اور حوالدار پیچھے کھینچ چکے تھے۔

"تم ٹھیک ہو؟" حسان اس کے بازوؤں سے تھامتا پریشانی سے پوچھ رہا تھا، جبکہ ادینہ جہانگیر کی ساری دنیا ساکت ہو گئی تھی۔

oooooo

"تم پاگل ہو گئے ہو حسان؟ کس سے پوچھ کر تم نے اسے سیل میں جانے دیا؟" جہانگیر صاحب حسان پر برس رہے تھے جبکہ وہ سر جھکائے کھڑا تھا

"مجھے جواب چاہیے حسان سکندر!" وہ تیش میں اس کا گریبان تھام گئے۔

"اگر میری بیٹی کو کچھ ہو جاتا تو یقین کرو میں تمہارے ٹکڑے کر دیتا۔ فلحال تمہاری سزا یہ ہے کہ تمہیں تین ماہ کے لیے معطل کیا جاتا ہے، گھر جاؤ آرام کرو اور دماغ کو درست کرو۔" وہ حقارت سے اسے جھٹک گئے۔ کنپٹی سے نظر آتے گرے بال اور فٹ جسامت والے جہانگیر خان کی شخصیت کا ایک رعب تھا۔

"آئی ایم سوری سر!" حسان نے پہلی بار زبان کھولی تھی۔

"سوری؟ سیریئسلی سوری؟ واٹ دا ہیل از دس سوری مسٹر حسان؟ میری بیٹی کو کچھ ہو جاتا تو تمہاری یہ سوری کیا کر لیتی؟" وہ درشت انداز میں چلائے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"انف ڈیڈ! بس کر دیں آپ۔ مجھے ایک باکس میں بند کر کے اپنے ساتھ رکھا کریں۔ حد ہو گئی ہے، مجھے سانس بھی اپنی مرضی سے لینے کی اجازت نہیں دیتے آپ۔" ادینہ کب سے انہیں حسان کی انسلٹ کرتے دیکھ چیخ اٹھی۔

"ادینہ میرا بچہ! ایسا نہیں ہے، میں صرف تمہیں پروٹیکٹ کر رہا ہوں۔" وہ بیٹی سے مخاطب ہوئے تو لہجہ یکسر بدل گیا تھا

"اسے آپ پروٹیکشن کہتے ہیں؟ مجھے سبجیکٹ تک اپنی مرضی سے چوز کرنے کی اجازت نہیں ہے، یہ پروٹیکشن ہے؟" ادینہ نے سامنے پڑی فائلیں غصے سے پھینک دیں

"ہاں یہ پروٹیکشن ہے، تم ایک کمزور جذبات کی لڑکی ہو ادینہ، ایک حساس دل والی لڑکی۔ اور نفسیات کے کیس حل کرنا بہت مشکل ہے، میں نے تمہیں پھر بھی سائیکالوجی پڑھنے دی، مگر کریمنل سائیکالوجی اور اب اس کی پریکٹس کرنا، میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا تمہیں میرا بچہ۔" وہ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر محبت سے بولے

"مجھے ایسی کس نے بنایا؟ آپ نے بنایا ڈیڈ، آپ نے کبھی مجھے مضبوط بننے ہی نہیں دیا۔ میں نے ہمیشہ آپ کی بات مانی ہے، اب بھی مان لیتی ہوں۔ مگر ایک شرط پر۔۔" وہ آنسو صاف کرتے بولی، حسان نے بھی سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں آج کے بعد وہی کروں گی جو آپ کہیں گے، بس مجھے یہ کیس حل کر لینے دیں، پلیز۔" وہ ہاتھ جوڑ گئی تو جہانگیر خان کے دل پر ہاتھ پڑا، وہ ان کی صرف بیٹی ہی نہیں لاڈلی بیٹی تھی۔

"ٹھیک ہے، صرف یہ کیس وہ بھی وی آئی پی سیکیورٹی کے ساتھ، اس کے بعد ہم ایسے کام نہیں کریں گے۔ تم خود کو پر سکون کرنے والے کام کرو نا، تم ایسے سٹریس والے کام کر کے کیوں خود کو تھکانا۔" وہ اسے بازو کے ہالے میں لے کر سنجیدگی سے بولے۔ادینہ بس مسکرا دی۔

"تھینک یو ڈیڈ۔" اس نے سر اٹھا کر باپ کا گال چوم لیا۔

"لو یو میرا بچہ۔ جاؤ اب روم میں اور ٹائم سے سو جانا، ایسا ویسا کچھ مت سوچنا۔" وہ پھر سر زنش کر گئے تو ادینہ سر ہلاتی کمرے سے نکل گئی۔

"میری سزا میں کمی ہو سکتی ہے انکل؟" حسان نے شرارت سے پوچھا تو جہانگیر خان نے ٹیبل پر پڑا پیپر ویٹ اٹھا کر اس کا نشانہ لیا، جسے وہ سرعت سے کیچ کر گیا۔ جہانگیر خان نے سگریٹ جلا کر ہونٹوں میں دبائی اور حسان کی طرف پشت کر کے کھڑے ہو گئے جبکہ پر سوچ نظریں سامنے کھڑکی سے نظر آتے منظر پر تھیں۔

"دیکھیں میں مانتا ہوں میری غلطی ہے، لیکن آئندہ خیال رکھوں گا اس کا۔ پرامس۔" حسان انہیں رام کرنے کو بولا

"حسان تم میری انسکیورٹی کو جانتے ہو، ادینہ کے لئے میری فکر کو جانتے ہو۔ پھر بھی تم سے ایسی بھول کیسے ہو گئی کہ تم نے ایک مجرم کے سامنے اسے جانے دیا، میں نے اپنی بیٹی کو بہت نازوں سے پالا ہے، تمہیں لگتا ہے کہ وہ تھانوں کچہریوں میں جانے والی ہے؟" ان کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

"ادینہ کا ماضی تمہارے سامنے ہے، میں نے آج تک اس کی ماں کے متعلق کوئی جملہ اس کے کانوں تک نہیں آنے دیا، میں نے اسے ہتھیلی کا چھالا بنائے رکھا اور تم اسے تھانے میں ایک مجرم کے سامنے لے گئے؟" وہ سگریٹ نیچے پھینک کر شدید غصے سے بولے

"سر مجھے اندازہ ہے، لیکن وہ بضد تھی، اور آپ جانتے ہیں کہ میں اسے روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔" وہ سر جھکا کر اعتراف کرتا بولا

"تم میری بیٹی سے مجھ سے زیادہ محبت نہیں کر سکتے حسان سکندر!" وہ کچھ جتا کر بولے

"بعض اوقات اپنے پیاروں کو بچانے کے لیے ان پر پابندیاں لگانی پڑتی ہیں، اگر ایسا کرنے سے آپ ولن بن رہے ہیں تو بن جائیں لیکن محبت کو بچالیں، یہ ہیرو بن کر اپنی محبت کو خطرے میں ڈالنے سے بہتر ہے۔" ان کے لہجے میں تھکن تھی۔

"پلیز مجھے ایک آخری موقع دے دیں، میں اس کیس کو جلد از جلد ختم کرنے کی کوشش کروں گا۔" وہ ہاتھ باندھ کو بولا تو جہانگیر سکندر اسے دیکھتے رہے

"ٹھیک ہے، اور یہ تمہارا آخری چانس ہے، اس دفعہ اگر کوئی کوتاہی ہوئی تو ادینہ جہانگیر کو بھول جانا، اب تم جا سکتے ہو۔" وہ اسے سمندر کی لہروں سے نکال لائے تھے، مگر کنارے سے کچھ دور اسے چھوڑ دیا تھا۔ جبکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اسے تیرنا نہیں آتا۔ اور یہی تو حسان سکندر کا اصل امتحان تھا۔ وہ تیر سکتا تھا یا نہیں؟؟

وہ سیلوٹ مار کر کمرے سے نکل گیا جبکہ جہانگیر خان نے ایک اور سگریٹ سلگا کر لبوں میں دبا لیا، اور کرسی پر جھولتے سامنے دیواروں کو پر سوچ نظروں سے دیکھتے رہے۔

oooooo

ادینہ ساری رات سوئی نہیں تھی، وہ سرخ آنکھیں ساری رات اسے اپنے ارد گرد نظر آتی رہی تھیں۔ وہ "ہیل می" کی سرگوشیاں کانوں میں گونجتی رہی تھیں۔ اسے شدت سے انتظار تھا کہ صبح ہو اور وہ پھر اس سے ملے۔ نجانے ایسی کون سی کشش تھی کہ وہ اس کی نم آنکھوں کے جادو میں جکڑی جا چکی تھی۔

ooooooo

اگلے دن وہ تھانے پہنچی تو حسان کے تیور اکھڑے ہوئے تھے مگر اس نے پہلے بھی پرواہ نہیں کی تھی، وہ جانتی تھی ایک وہی تو تھا جو اس کے لئے ڈیڈ سے بھی لڑ جاتا تھا۔

"کیا رپورٹ ہے؟" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بچی کی فرانزک رپورٹ آگئی ہے، وہ نشان کتے کے دانتوں کے نشان تھے، بچی کی باڈی پر یوسف کے فنگر پرنٹس بھی نہیں ملے، سو میرا نہیں خیال کہ اس کا اس کیس سے کوئی تعلق ہے، پھر بھی اس کا بیان ابھی باقی ہے۔" حسان مصروف سے انداز میں بولا

"ہاں میں اس کا بیان لینے ہی آئی ہوں، ویسے بھی وہ ایک نفسیاتی کیس ہے، میں نے سر سے بات کی تھی، وہ اس کا کیس ہینڈل کریں گے۔" ادینہ نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا

"چلو۔" اسے اٹھتے نہ دیکھ وہ پھر بولی تو حسان اٹھ گیا، آج اس کے سیل میں دو کرسیاں اور ایک میز موجود تھا، یوسف بھی کرسی پر بیٹھا تھا جبکہ دوسرے طرف ادینہ بیٹھ گئی، حسان چوکنا ہو کر اس کے پاس کی کھڑا تھا۔

"مسٹر یوسف آپ کو یاد ہے، میں کل بھی آئی تھی، میرا نام ڈاکٹر ادینہ ہے۔" ادینہ چہرے پر مسکراہٹ سجا کر بولی، یوسف نے جھکے سر کو ہلایا گویا اسے یاد ہو۔

"آپ جانتے ہیں نا کہ آپ کس کیس کے سلسلے میں یہاں آئے ہیں؟" وہ بغور اس کے چہرے کو دیکھتی سوال کر رہی تھی۔ یوسف نے پھر سر ہلانے پر ہی اکتفاء کیا

"آپ بتا سکتے ہیں کہ اس دن کیا ہوا تھا؟" ادینہ نے نوٹ پیڈ نکالا اور پینسل ہاتھ میں پکڑی۔

"میں بلڈنگ کی پارکنگ میں کھڑا سگریٹ پی رہا تھا، جب میں نے بچی کو بلڈنگ کی پچھلی جانب جاتے دیکھا، مجھے لگا اس کے ماں باپ آس پاس ہیں، مگر جب کافی دیر تک کوئی اس طرف نہ گیا تو میں حیران ہوا اور اس طرف گیا، مگر تب تک۔۔" وہ بولتے بولتے رک گیا، ہاتھوں کو باہم پیوست کیے اس نے ہاتھوں کہ کپکپاہٹ کم کرنی چاہی، ادینہ بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

"جب تک میں وہاں پہنچا، کتا اس پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ میں اسے نہیں بچا پایا۔۔ وہ بھی مر گئی، میں نہیں بچ پایا اسے۔۔" وہ کپکپاتے ہاتھوں میں چہرا چھپا کر رونے لگا۔ ادینہ نے نظریں اٹھا کر حسان کو دیکھا۔

"آپ بے فکر ہو جائیں مسٹر یوسف! آپ کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی، کچھ ہی دیر میں آپ کو ریلیز کر دیا جائے گا۔" وہ اسے حوصلہ دیتے ہوئے اٹھی، حسان پہلے ہی سی سی ٹی وی فوٹیج چیک کر چکا تھا، وہاں وہی منظر تھا جو یوسف نے بتایا تھا، سو کچھ کاغذی کاروائی کے

بعد اسے رہا کر دیا گیا تھا۔اپنا والٹ اور فون ہاتھ میں پکڑے وہ تھانے کے باہر روڈ پر کھڑا تھا جب ادینہ اس کے پاس آئی۔

"مسٹر یوسف آئیں میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔"اس کا ڈرائیور گاڑی لئے روڈ پر کھڑا تھا جب ادینہ نے باہر نکل کر اسے دعوت دی۔

"نہیں شکریہ! میں کیب لے لوں گا۔"وہ سنجیدگی سے بولا

"پلیز آجائیں،اتنا فارمل ہونے کی ضرورت نہیں۔"اس کے اصرار پر وہ گاڑی میں بیٹھ گیا، جبکہ زبان سے ابھی بھی کوئی لفظ ادا نہیں ہوا تھا۔ادینہ نے اسے ڈراپ کیا اور واپس گھر چلی گئی۔جہانگیر خان مطمئن ہو گئے تھے کیونکہ ادینہ جاب چھوڑ چکی تھی، حسان سکندر جو محبت کا دعویدار تھا مگر وہ اس کی حفاظت نہ کر سکا، وہ یہ نا جان سکا کہ اس کے ہی تھانے کے سامنے ادینہ نے یوسف کی طرف پہلا قدم بڑھایا تھا۔راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا تب تک جب تک ادینہ جہانگیر اپنے باپ کی مان رہی تھی۔زندگی میں پہلی دفعہ ادینہ نے دل کی صدا پر لبیک کہا تھا اور یہ عمل نجانے اسے کتنا نقصان پہنچانے والا تھا۔کیونکہ اس ضدی دل کہ صدائیں انسان کو ہمیشہ خوار ہی کرواتی ہیں۔

oooooo

گہرے میرون رنگ کے سادے شلوار قمیض میں ملبوس ادینہ جہانگیر چہرے پر ہلکا پھلکا میک اپ کئے یوسف مجید کے اپارٹمنٹ کے دروازے پر کھڑی تھی۔ گلابی لبوں پر لگی ہلکی سی سرخ لپ اسٹک انہیں مزید پرکشش بنا رہی تھی، آنکھوں پر لگا لائنر انہیں مزید قاتل بنا رہا تھا۔ گھنے مژگان پر لگا مسکارا انہیں مزید گھنا بنا گیا تھا، گویا ان خوبصورت آنکھوں کی حفاظت میں پیش پیش ہوں۔ سنہرے بالوں کو نفاست سے چٹیا میں قید کیا گیا تھا۔ بیل بجانے سے پہلے اس نے ایک نظر موبائل کی سکرین میں خود کو دیکھا اور مطمئن ہوتے بیل بجائی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا تو اس نے لبوں پر ایک بھرپور مسکراہٹ سجائی

"السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟" یوسف نے دروازہ کھولا تو سامنے وہی پرورش کھڑی تھی۔ وہ آنکھیں جھپکا کر اسے دیکھنے لگا گویا یقین کر رہا ہو

"ہیلو؟ پہچانا نہیں مجھے آپ نے؟" وہ اب کی بار تھوڑا کنفیوز ہو کر بولی

"وعلیکم السلام! جی پہچان لیا ہے، آپ یہاں؟" وہ ہوش میں آتا بولا

"اندر تو آنے دیں، دروازے پر انٹرویو کریں گے کیا؟" وہ ذرا خفگی سے بولی

"سوری! آئیں پلیز۔" اس نے سائیڈ ہو کر اسے راستہ دیا تو وہ اندر داخل ہوئی، ایک نظر چاروں طرف ڈال کر کچھ مطمئن ہوتے اس نے دروازہ بند کر لیا۔

"آپ بیٹھیں میں آتا ہوں۔" اسے لاؤنج میں بٹھا کر وہ خود کچن کی طرف چلا گیا، ادینہ بڑے اشتیاق سے اس کے چھوٹے سے اپارٹمنٹ کا جائزہ لینے لگی، ہر چیز نہایت نفاست سے رکھی گئی تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ ٹرے میں دو کپ چائے کے رکھے آن حاظر ہوا۔

"بیٹھیں پلیز۔" اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتا وہ خود دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"معزرت میں نے گروسری نہیں کی، ابھی صرف چائے ہی پیش کر سکتا ہوں۔" وہ ذرا شرمندگی سے بولا

"کوئی بات نہیں، اگلی دفعہ میں پوری ٹریٹ لوں گی، اب تو ملنا ملانا لگا رہے گا۔" اس کی بات پر یوسف نے حیرانگی سے اسے دیکھا مگر وہ مگن انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

"دراصل میں آپ سے کچھ پوچھنے آئی تھی۔" چائے کا کپ میز پر رکھتی تو تھوڑی سنجیدگی سے بولی، یوسف چونک گیا

"جی پوچھیں۔" وہ خود بھی ذرا سنجیدہ ہو گیا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"جیل میں آپ نے مجھ سے کچھ کہا تھا، اگر یاد ہو تو۔" ادینہ کپ کے کنارے پر انگلی پھیرتی اس کی آنکھوں میں دیکھتی بولی، یوسف نظریں چرانے لگا

"آپ نے کہا تھا" ہیل می" اور ایک سائیکالوجسٹ ہونے کے ناطے میں آپ کو ہیل کرنا چاہتی ہوں، میں آپ کو نظر انداز نہیں کر پائی۔" وہ اس کے چہرے کے کھڈوں پر نظریں جمائے بولی

"آپ مجھ سے شئیر کر سکتے ہیں مسٹر یوسف! میں نے اپنے سنئیر ڈاکٹر سے بھی آپ کے بارے میں بات کی تھی، وہ آپ کی مدد کریں گے۔" ادینہ اسے تذبذب کا شکار دیکھ کر جذباتی انداز میں بولی، یوسف چائے کا کپ رکھے براہِ راست اسے دیکھنے لگا۔

"میں نے درخواست آپ سے کی تھی، تو علاج بھی آپ سے کرواؤں گا، یہی شرط ہے میری۔" بالآخر وہ بولا تو نجانے کیوں ادینہ کے گال سرخ ہو گئے۔

"ضرور کیوں نہیں، میں آپ کی پوری مدد کروں گی۔" وہ چائے بھول کر اسے دیکھنے لگی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"چائے پی لیں، پھر بات کریں گے۔" وہ اس اشارہ کرتا اپنا کپ منہ سے لگا گیا، ادینہ جلدی جلدی بڑے بڑے گھونٹ بھرنے لگی، جبکہ یوسف اس کے انداز پر مسکراہٹ ضبط کرنے لگا، یہ بچگانہ سوچ والی لڑکی اسے ہیل کرنے آئی تھی۔ اسے سوچ کر ہی ہنسی آ رہی تھی۔

ooooo

"میں نے ایک جھگی میں آنکھ کھولی تھی، بچپن سے اپنی ماں کو اپنے باپ سے مار کھاتے دیکھا تھا، اور جب جب میری ماں روتی میرے سر میں ایک عجیب سا درد ہوتا تھا، میں زیادہ تر گھر سے باہر رہنے لگا۔ بعض اوقات میرا درد اتنی شدت اختیار کر جاتا کہ مجھے خود کی ہوش نہ رہتی، میری آنکھیں کھلی ہوتی تھیں، مگر میں پورے ہوش میں رہ کر بھی ہوش میں نہیں رہتا تھا، ایسا لگتا تھا جیسے مجھے کوئی دورہ پڑا ہو، میں اس دوران کیا کرتا مجھے کچھ معلوم نہیں، نہ ہی مجھے کچھ یاد رہتا تھا۔ ایک دن ایسی ہی حالت میں میں اپنی بہن کو لے کر باہر نکلا تھا، درد کی شدت اتنی تھی کہ میری برداشت ختم ہو رہی تھی، پھر نجانے کیا ہوا جب مجھے ہوش آئی تو پتہ چلا کہ ایک کتا میری ڈھائی سال کہ بہن کو کھا چکا ہے۔" وہ دونوں گاڑی میں بیٹھے بس چلتے

جارہے تھے،ادینہ ڈرائیو کررہی تھی جبکہ یوسف اپنی کتھاسنارہا تھا، جھوٹ تھایاسچ وہ خود نہں جانتا تھا۔اس کی بات پرادینہ کے پیر بے ساختہ بریک پر گئے ایک جھٹکے سے گاڑی رکی، کتے کے ذکر پراسے بہت کچھ یاد آیا تھا جسے وہ یاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"اسی لئے اس دن اس بچی کو دیکھ کر میں۔۔" بات ادھوری کہہ گئی تھی، جبکہ مقابل تک پوری پہنچی تھی۔

"میرے ماں باپ کی ڈیتھ ہوئی تو میں وہ جگہ چھوڑ کر شہر چلا آیا،ایک جوتوں کی دکان کے مالک نے جب مجھے ٹھنڈ میں ٹھٹھرتے دیکھا تو اپنے گھر لے گیا اور پھر وہ میرے گارڈین بن گئے۔" وہ چند سیکنڈز میں اسے اپنی ساری زندگی لپیٹ کر سنا گیا تھا، مگر صرف اتنی ہی جتنی وہ چاہتا تھا۔

"میں چاہتا ہوں تم مجھے ہیل کرو، مجھے اس درد سے چھٹکارہ دلوادو،اس تکلیف سے،ان چیخوں سے۔میں اپنی بقیہ زندگی ایک نارمل انسان کی طرح گزارنا چاہتا ہوں، جس میں مجھے اپنے ایک ایک پل کی خبر ہو، میں ہوش میں رہ کر بے خبر نہ رہوں۔"اس نے سٹیرنگ پر

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

رکھے ادینہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور اس کی نم آنکھوں میں دیکھتا رہا، جھپکے بغیر، تب تک جب تک اس نے سر نہیں ہلایا۔

مگر کیا یہ سچ تھا؟ کیا وہ واقعی اپنی ذات کے اس تاریک پہلو سے ناواقف تھا؟ ناواقف تھا یا اداکار؟ کیا وہ واقعی علاج کا متمنی تھا یا ایک نئے شکار کی تلاش میں؟؟

ooooo

یوسف اپنی ذات کے اس تاریک پہلو سے ناواقف ہر گز نہیں تھا، اسے ڈر تھا پکڑے جانے کا۔ وہی ڈر جو گاؤں سے بھاگتے اس نے محسوس کیا تھا۔ اس درد سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی کوشش میں کیا گیا وہ عمل کب اس کی عادت بن گیا وہ خود نہیں جانتا تھا اب تو یہ حال تھا کہ چند دن وہ لذت پوری نہ کرتا تو وہی درد اس کی جان نکالنے لگتا تھا۔ وہ خود اس لت سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے، اسی کوشش میں اس نے کئی دفعہ اپنی اصلیت بتانی چاہی، پہلی دفعہ اپنے گارڈین ذاکر انکل کو مگر ان کی وہ بے یقین آنکھیں، ان کا پولیس کو کال کرنا، اسے برا بھلا کہنا، اسے گالیاں دینا، اسے قاتل درندہ کہنا۔ ناچاہتے ہوئے بھی اسے انہیں مارنا

پڑا تھا۔ وہ کئی دن ابنارمل رہا تھا، نہ کچھ کھا سکا تھا نہ پی سکا تھا۔ وہ اپنے محسن کو کیسے مار سکتا ہے؟

یہ سوال اسے جینے نہیں دے رہا تھا۔

کیا وہ واقعی ایک درندہ بن چکا ہے؟

یہ وہ مقام تھا جہاں آ کر اس کے سینے میں بائیں طرف ایک جھٹکا سا لگتا تھا۔

نہیں وہ انسان ہے۔

وہ کئی بار خود کو باور کرواتا۔ بالآخر دو سال بعد وہ ایک سائیکالوجسٹ کے پاس گیا، اس ڈاکٹر نے اس کی بہت آؤ بھگت کی، بہت تسلیاں دیں، تیسرے سیشن میں وہ اسے اپنے بارے میں بتا چکا تھا اور پھر اس ڈاکٹر کی بے یقین نظریں، اسے پولیس کی دھمکیاں دینا۔ یوسف نے مجبوراً اسے بھی مار دیا۔ وہ جو ذاکر انکل کی موت کے بعد سے اپنی لذت پر قابو پائے بیٹھا تھا اس ڈاکٹر کی گردن سے نکلتا تازہ تازہ خون دیکھ کر اس کی وہ طلب پھر جاگ اٹھی تھی۔ وہ وقتاً فوقتاً اپنی لذت پوری کرتا رہتا تھا، مگر اب کی بار وہ دوہرے جذبات کا شکار تھا، بعض اوقات اسے اس سارے عمل میں بہت خوشی ہوتی اور بعض اوقات بے چینی۔ وہ کئی کئی دن سو نہ پاتا، بچوں کی چیخیں، وہ خون کی ٹپ ٹپ اسے سونے نہ دیتی۔ مگر وہ واقعی اب اس کا علاج چاہتا

تھا۔ادینہ کو اس نے دانستہ اپنی اصلیت نہیں بتائی تھی کیونکہ وہ اسے مارنا نہیں چاہتا تھا ،نجانے کیوں؟

اسے لگتا تھا کہ ادینہ جب اس کے ساتھ ہوتی ہے تو اس کے اندر کا انسان ایکٹو ہوتا ہے جبکہ وہ درندہ کہیں جا سوتا ہے اور وہ بس اس کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ کبھی کال کبھی میسج، وہ ہر وقت اس کے احساس کو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔اگر کبھی کال یا میسج نہ ہوتا تو وہ اس کی پرانی چیٹس پڑھنے لگتا، وائس نوٹ سننے لگتا، اس کی کال ریکارڈ سننے لگتا، یا اس کی پونی جسے وہ ہمہ وقت اپنی جیب میں رکھتا تھا اس سے کھیلنے لگتا۔وہ نہیں جانتا تھا کہ اس سارے کھیل کا مستقبل کیا ہونے والا ہے مگر وہ لڑکی اس کا اینٹی ڈوٹ تھی اور وہ اسے گنوانا نہیں چاہتا تھا۔وہ ہیل ہونا چاہتا تھا۔جہانگیر خان سچ کہتا تھا، ادینہ ایک کمزور جذبات کی لڑکی تھی، وہ اس شخص کی باتوں پر یقین کر بیٹھی تھی۔اپنے باپ سے چوری، حسان سے چوری وہ اس شخص کا علاج کر رہی تھی۔ادینہ نے اپنے سینئیر سائکیاٹرسٹ سے اس کے لئے ادویات لی تھیں جنہیں وہ باقاعدگی سے لے رہا تھا، اس کی شخصیت میں واضح تبدیلی آئی تھی، اب وہ لمبی لمبی گفتگو کرنے لگا تھا۔اپنے سکول کے بارے میں بتاتا، ارد گرد کے بارے میں بتاتا، اور ادینہ اسے اپنی جیت سمجھ رہی تھی۔

اور پھر بالآخر اس نے ادینہ جہانگیر کو پروپوز کر دیا۔

"میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے ادینہ! تم مجھے خود غرض کہہ سکتی ہو، مگر تم میرا علاج ہو ادینہ۔ تم پاس ہوتی ہو تو مجھے کوئی درد نہیں ہوتا۔ میں بہت اچھا محسوس کرتا ہوں۔" اس کے پروپوزل پر ادینہ نے جھٹ سے ہاں کہا تھا، وہ بھی تو یہی چاہتی تھی۔ اگلے ہی دن وہ جہانگیر خان کے سامنے اپنی التجا رکھ چکی تھی۔

"ڈیڈ وی بوتھ وانٹ ٹو گیٹ میریڈ! ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے ہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی جانتی تھی کہ باپ نہیں مانے گا، مگر وہ بھی پوری تیاری سے آئی تھی۔ جہانگیر خان نے نظریں اٹھا کر بیٹی کو دیکھا، تو جس کیس کو وہ ختم کرنے کا کہہ رہی تھی وہ ختم نہیں ہوا تھا بلکہ شروع ہوا تھا۔

"تم علاج کر رہی ہو نا اس مینٹل انسان کا؟" وہ شدید سنجیدگی سے بولے۔ انہیں رہ رہ کر اپنے بے خبری پر غصہ آ رہا تھا۔ جبکہ حسان سکندر تو تہی داماں رہ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ

پھیلائے جانے سے پہلے ہی وہ کسی اور کی جھولی میں جا گری تھی۔ وہ ساکت سا ادینہ کو دیکھ رہا تھا جو اس کی چاہت تھی۔ شاید یہ اس کی بے خبری کی سزا تھی۔

"ڈیڈ مینٹل نہیں ہے وہ، بس اسے ڈپریشن تھا اور اب وہ بالکل ٹھیک ہے۔" وہ پر سکون لہجے میں بولی، باپ کو ضد نہیں دلوانا چاہتی تھی۔

"یو نو واٹ ادینہ؟ یہ وجہ تھی کہ میں تمہیں سائیکالوجی کی پریکٹس نہیں کرنے دینا چاہتا تھا۔ تم ایک کمزور جذبات کی لڑکی ہو، جبکہ یہ کام ایک مضبوط اعصاب والا انسان کر سکتا ہے۔ کیس کو حل کیا جاتا ہے بیٹا اس کے ساتھ ذاتی طور پر جڑا نہیں جاتا۔

تمہیں تو خود ایک سائیکالوجسٹ کی ضرورت ہے، تمہیں جہاں سے محبت ملتی ہے تم لے لیتی ہو بنا یہ سوچے کہ وہ غلط ہے یا صحیح۔" وہ پلیٹ سرکا کر بولے، انداز میں برہمی تھی۔

"مجھے آپ سے محبت چاہیے تھی ڈیڈ! آپ نے نہیں دی تو جہاں سے بھی ملے گی وہ غلط ہی ہو گی، مگر میں مجبور ہوں اس محبت کو لینے کے لیے کیونکہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔"

اس کی آنکھیں بے ساختہ نم ہو گئیں

"ادینہ اسے ایک ڈاکٹر کی ضرورت ہے بیوی کی نہیں۔" جہانگیر خان قطعیت سے بولے

"مجھے اس کی ضرورت ہے ڈیڈ۔" ادینہ کا انداز ان سے زیادہ کٹیلا تھا

"آپ نے کبھی کی ہے محبت؟ آپ کیا جانیں محبت کیسے کرتے ہیں، آپ رہیں مصروف اپنی زندگی میں۔ مام بھی اسی وجہ سے چلی گئیں اور اچھا ہی ہوا کہ چلی گئیں کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتیں تو ساری عمر میری طرح محبت کے لیے ترستی رہتیں۔ آپ نہ ان کی حفاظت ان کی زندگی میں کر سکے اور نہ مرنے کے بعد۔ آپ کی وجہ سے ان کا ایکسیڈنٹ ہوا آپ کی وجہ سے مرنے کے بعد ان کے ساتھ۔۔" وہ بات مکمل نہ کر سکی، آنسوؤں کا ایک ریلہ حلق میں اترا، جہانگیر خان سرخ آنکھیں لئے اسے دیکھ رہے تھے ان کی اکلوتی اولاد جس کے لئے وہ خود کو بھول گئے تھے۔

"تم صحیح کہہ رہی ہو شاید، مجھے محبت کرنی نہیں آتی۔ آج میں تمہیں اپنی حفاظت کے حصار سے آزاد کرتا ہوں، کیونکہ اب تم اڑنا سیکھ گئی ہو بیٹا۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔" وہ اس کا

گال تھپتھپاتے وہاں سے پلٹ گئے، جبکہ پلٹتے ہی ایک آنسو ان کی داڑھی میں جذب ہو گیا۔
ساری عمر کی محبت کا یہ محصول تھا۔

"تم بہت غلط کر رہی ہو ادینہ۔" حسان اسے افسوس سے دیکھتا جہانگیر خان کے پیچھے گیا

"آپ نے ہی مجھے سکھایا تھا کہ اگر ولن بننا پڑے تو بن جاؤ اور اب آپ خود کیا کر رہے ہیں؟" وہ ان کے جھکے کندھے دیکھ کر بولا

"اسے خوش رہنے دو بس حسان، ہم دونوں ہی اس کی محبت کے قابل نہیں ہیں۔" وہ سامنے فریم میں نظر آتی ایک خوش شکل سی عورت کو دیکھ کر بولے، جبکہ حسان خاموشی سے پلٹ گیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ادینہ جہانگیر ادینہ یوسف بن گئی تھی۔ایک چھوٹی سی تقریب میں یوسف اسے اپنی زوجیت میں لے چکا تھا۔ادینہ خوش تھی بے حد خوش جبکہ یوسف مطمئن تھا اسے امید تھی کہ اب اس کے اندر کا وہ حیوان سویا ہی رہے گا۔

○○○○○○

وقت گویا پر لگا کر اڑا تھا۔وہ دونوں ایک دوسرے کی سنگت میں بہت خوش تھے۔ جہانگیر خان بھی بیٹی کی خوشی دیکھ کر کہیں نہ کہیں مطمئن ہو گئے تھے۔ان دونوں کے اس چھوٹے سے فلیٹ میں ہر وقت قہقہے گونجتے تھے۔اب ان قہقہوں میں ننھی قلقاریوں کا اضافہ ہونے والا تھا۔ سیشن کی تو اب ضرورت نہیں پڑتی تھی مگر وہ ابھی بھی وہ ادویات کھاتا تھا۔ان کے بچے کے پیدا ہونے میں کچھ ہی وقت تھا اور یوسف اس کا بے حد خیال رکھتا تھا۔ حسان بھی کبھی کبھار چکر لگا لیتا تھا۔

"یوسف؟"آدھی رات کو اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں گھپ اندھیرا تھا،اس کا دل لرز اٹھا۔ساکت پڑی وہ یوسف کو مخاطب کرنے لگی جو آج کل سوتے ہوئے بھی چوکنا رہتا تھا۔

"کیا ہوا؟"جواب فوراً آیا تھا۔

"لائٹ آن کریں پلیز۔۔"وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی

"میں کر رہا ہوں، تم ٹھیک ہو؟"یوسف نے لائٹ آن کرنے کے ساتھ ہی اس کو پانی کا گلاس بھی دیا اور سہارا دے کر بٹھایا

Clubb of Quality Content

"مجھے بہت ڈر لگتا ہے اندھیرے سے۔" وہ پانی پی کر اس کی آغوش میں چھپ گئی۔

"میں آج تک تمہارے ڈرنے کی وجہ نہیں سمجھ پایا یار۔" وہ اس کا ماتھا سہلاتا بولا

"بس اندھیرے سے مجھے کچھ یاد آجاتا ہے جو بہت تکلیف دہ ہے۔" وہ آنکھیں بند کئے پڑی تھی

"میری مام کی ڈیتھ ایک ایکسیڈنٹ میں ہوئی تھی۔" کچھ توقف بعد وہ خود ہی بولنے لگی

"میں بہت چھوٹی سی تھی، جب ان کی ڈیتھ ہوئی تھی۔ انہیں ان کے آبائی گاؤں میں دفنایا گیا تھا، میں نے دن میں دیکھا تھا لوگ انہیں قبرستان لے کر گئے تھے، مجھے ساری رات نیند نہیں آئی تھی تو میں خود ہی قبرستان کی طرف چل پڑی، مجھے لگا تھا کہ مام وہاں ہوں گی، مگر جب میں وہاں گئی۔۔۔" وہ رک گئی جبکہ یوسف اسے بغور سن رہا تھا

"میں نے کسی کو ان کی قبر کھودتے دیکھا، اور پھر۔۔ پھر ان کی لاش کفن سے نکالتے دیکھا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایک کتا انہیں کھا گیا۔۔ میں اتنی خوفزدہ ہو گئی کہ وہیں سے واپس بھاگ آئی، میں نے یہ بات آج تک کسی کو نہیں بتائی۔۔ سب میری مام کو گناہگار کہتے ہیں کہ اللہ نے مرنے کے بعد بھی انہیں سزا دی، لیکن ایسا نہیں تھا۔۔ میں نے خود کسی انسان

کو ان کی قبر کھودتے دیکھا تھا۔"وہ زار و زار روتے ہوئے بتا رہی تھی جبکہ یوسف ساکت اسے سن رہا تھا کیا کیا نہیں یاد آیا تھا۔

"کیا نام تھا تمہارے گاؤں کا اور تمہارے نانا کا؟"وہ ایک جھٹکے سے اس کا چہرہ اپنے سینے سے نکال کر بولا،انداز میں عجیب وحشت تھی،ادینہ نے یونہی روتے ہوئے اسے اپنے نانا کا نام بتایا،بشیر چوہدری۔

چوہدری۔۔کیا کیا نہیں یاد آیا تھا اسے۔۔وہ اسے ایک جھٹکے سے چھوڑ کر واشروم میں بند ہو گیا۔جبکہ ادینہ افسوس کرنے لگی کہ کتے کا ذکر کیوں کیا،اسے یقیناً اپنی بہن یاد آئی ہو گی۔۔

جبکہ وہ واشروم کے آئینے کے سامنے کھڑا اپنا عکس دیکھ رہا تھا۔اپنی ماں،اپنی بہنیں،اپنا باپ اپنی چھوٹی بہن،کیا کچھ نہیں یاد آیا تھا۔سب سے بڑھ کر اس کا پہلا شکار وہ چوزہ۔۔

تو یہ طے تھا کہ یوسف مجید کو پہلا شکار چوہدری کے گھر سے ہی ملنا تھا چاہے وہ چوزہ ہو، اس کی مردہ بیٹی یا زندہ سلامت نواسی۔

وہ بے آواز قہقہے لگانے لگا۔

یہ کمال تھا۔۔بے حد کمال۔

اس کے اندر کا حیوان انگڑائی لے کر تازہ دم ہو چکا تھا۔

تو چلو پھر شروع کرتے ہیں یہ آنکھ مچولی۔اس کا عکس مسکرایا تھا، شیطانی مسکراہٹ سے۔۔

"یوسف آپ ٹھیک ہیں؟"اسے باہر نہ نکلتے دیکھ ادینہ نے دروازہ کھٹکھٹایا، یوسف نے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے اور دروازہ کھول دیا۔

"ٹھیک ہیں آپ؟سوری مجھے ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا اس طرح۔"وہ شرمندگی سے بولی

"سوری کیوں میری جان؟اچھا ہے نہ مجھے بھی اپنی وائف کے ٹراما کا پتہ ہونا چاہیئے ہم دنوں نے کی تو ایک دوسرے کو ہیل کرنا ہے۔"وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیے بڑی چاہت سے بولا تو ادینہ نے اس کے سینے سے سر ٹکا دیا۔جبکہ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا ڈریسنگ کے آئینے میں اپنا عکس دیکھ رہا تھا۔وہ شیطان کا عکس تھا۔

ooooo

"آپ آج کل میڈیسن نہیں لے رہے یوسف؟"اسے مسلسل دوائی نہ کھاتے دیکھ بالآخر وہ پوچھ بیٹھی

"ہاں، کیونکہ اب اس کی ضرورت نہیں رہی میری جان۔"وہ آج کل بات بات پہ مسکرا رہا تھا اور ادینہ تو اسے خوش دیکھ کر ہی جیتی تھی۔ بعض اوقات ادینہ کو اس کی مسکراہٹ سے خوف آنے لگتا، مگر پھر سر جھٹک دیتی۔

ایک رات وہ سو رہی تھی جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ یوسف غائب تھا، اسے لگا واشروم میں ہو گا مگر وہاں بھی نہیں تھا۔اس کا انتظار کرتے کرتے وہ سو گئی، اور اگلی صبح اسے خبر ملی کہ اس علاقے میں ایک بچی کی لاش ملی جسے ایک کتا کھا گیا تھا۔

"پتہ نہیں لوگوں سے اپنے بچے سنبھالے کیوں نہیں جاتے۔۔"ادینہ اپارٹمنٹ کی کھڑکی سے نیچے دیکھ رہی تھی جہاں پولیس اور ڈاکٹرز کی ٹیم جائے وقوع پر کاروائی کر رہی تھی۔یوسف نے کہتے ہوئے کھڑکی بند کر دی۔

"تم ایسی چیزیں دیکھ کر خود کو سٹریس مت دو میری جان۔"وہ اسے کھڑکی سے لے آیا۔ادینہ حیران سی اس کی حالت دیکھ رہی تھی۔

دن گزرے اور اس کے ہاں ایک خوبصورت سے بیٹے نے جنم لیا۔

"یہ بالکل تمہارے جیسا ہے ادینہ۔" حسان پھولوں کے گلدستے اور چاکلیٹس کے علاوہ اور بھی کئی تحائف لے کر آیا تھا، یوسف چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ جبکہ دماغ میں ایک ہی چیز گردش کر رہی تھی۔

"یہ بیٹی میری نہیں ہے، جن کے ساتھ تم سوتی رہی ہو یہ ان کا گند ہے، یہ میری بیٹی نہیں ہے۔" بچی کے زار و زار رونے پر ایک مرد کی چیخیں۔

کیا وہ مرد سچا تھا؟

کیا وہ عورت سچی تھی؟

گردن کی پچھلی جانب وہی درد پھر سر اٹھانے لگا تھا۔

وہ ہاسپٹل کے کمرے سے نکل گیا جبکہ حسان نے غور نہیں کیا جبکہ ادینہ تو اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھی، اس نے عہد کیا تھا کہ وہ اپنے بچے کی پرورش ویسی نہیں کرے گی جیسی اس کی ہوئی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس نے اپنے بیٹے کا نام دائم رکھا تھا، آج وہ پورے تین ماہ کا ہو چکا تھا اور پچھلے تین ماہ سے ادینہ کی دماغی حالت قابلِ ترس تھی، یوسف بالکل ہی بدل چکا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ وہ یوسف نہیں ہے، کوئی بہروپیا ہے مگر اگلے ہی پل وہ کوئی ایسا عمل کرتا کہ ادینہ کو لگتا یہ اس کا یوسف ہی ہے۔ جیسے کہ کبھی کبھار وہ دائم کے رونے پر ایسے ری ایکٹ کرتے جیسے اگر وہ چپ نہ ہوا تو اسے مار ہی ڈالے گا، جیسے اس کے رونے کی آواز اس کے لئے ناقابلِ برداشت ہو، مگر اگلے ہی پل وہ بیٹے کے ہاتھ چومتا بس سوری سوری کر گردان کرتا۔ ادینہ اس کا مسلہ کسی سے شئیر بھی نہیں کر سکتی تھی۔ آج اس کی کچھ دوستوں کا شاپنگ کا پلان بنا تو ادینہ نے منع کر دیا دائم کو ساتھ لے کر جانا ناممکن تھا۔

"تم جاؤ انجوائے کرو، دائم کی وجہ سے تم خود کی آؤٹنگز کیوں روک رہی ہو۔" وہ دائم کا پیمپر چینج کرتا بولا تو ادینہ نے سکھ کا سانس لیا، شاید گھر سے باہر جاتی تو دماغ تھوڑا فریش ہوتا۔

"اوکے خدا حافظ۔" اس نے دائم کے ہاتھوں پر بوسا دیا یوسف کے گلے لگی اور باہر نکل گئی۔ یوسف کے چہرے پر ایک مسکراہٹ بکھر گئی۔۔ شیطانی مسکراہٹ۔۔ وہ گہری نظروں میں سامنے صوفے پر لیٹے اپنے بیٹے کو دیکھنے لگا۔

oooooo

ادینہ شاپنگ سینٹر میں ہی تھی جب حسان کی کال آئی،ادینہ کے نانا ابو اس سے ملنے آئے تھے اور حسان اسے لینے آرہا تھا۔اس کی ماں کی ڈیتھ کے بعد وہ ان لوگوں سے بہت کم ملی تھی۔اتنے عرصے بعد نانا آئے تو وہ ایکسائٹڈ ہو گئی،اس وقت وہ مال کے سامنے ہی کھڑی تھی،دوستوں سے معزرت کرتی وہ حسان کا انتظار کرنے لگی۔کچھ ہی دیر میں وہ نانا کے پاس موجود تھی،ملتے ہوئے آنکھیں خود بخود نم ہو گئیں۔وہ لوگ چائے پی رہے تھے اور بچپن کی باتیں چھیڑ کے بیٹھے تھے جب ادینہ کا فون بجا،یوسف کالنگ لکھا دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے کال ریسیو کی۔

"السلام علیکم"اس سے پہلے وہ اگلی بات کرتی حسان کچن سے نکلا

"اوکے ادینہ میں چلتا ہوں،جلدی ہے مجھے،پھر آؤں گا۔"وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا،اس کی آواز یوسف نے صاف سنی تھی،تو وہ شاپنگ کی بجائے اس سے ملنے گئی تھی۔۔غصے و اشتعال کی ایک شدید لہر اس کے جسم میں سرائیت کر گئی اگلے ہی پل وہ فون کاٹ گیا۔

"ہیلو۔۔کال کٹ گئی شاید۔"ادینہ نے رابطہ منقطع ہوتے دیکھ موبائل سائیڈ پر رکھ دیا

"ارے مجھے اپنے بیٹے کی تصویریں تو دکھاؤ،اور میرا داماد کیسا ہے۔۔"سفید داڑھی اور جھکے کندھوں والا بشیر چوہدری بڑے لاڈ سے نواسی سے مخاطب تھا

"ابھی دکھاتی ہوں ابو۔یہ دیکھیں یہ میرا بیٹا ہے،میرے جیسا ہے نا۔"وہ اپنی اور دائم کی تصویر دکھاتی شرارت سے بولی

"یہ آپ کا داماد ہے اور بہت اچھا ہے۔"اس کے لہجے میں ہنوز شرارت تھی

"میں ابھی انہیں کال کرتی ہوں کہ دائم کو لے کر آجائیں آج ڈنر ہم یہیں کریں گے۔"وہ جوش سے بولتی جارہی تھی جبکہ بشیر چوہدری کی بوڑھی آنکھیں اس مرد کا چہرہ دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں

"یہ۔۔یہ یوسف ہے۔۔یہ یوسف ہے نا۔۔"وہ ادینہ کا بازو تھامتے درشتگی سے بولے ادینہ ان کے لب ولہجے پہ حیران تھی

"آپ کو ان کا نام کیسے پتہ؟"وہ حیرانی سے بولی

"یہ انسان نہیں درندہ ہے۔۔یہ تمہارا شوہر ہے۔۔مجھے سچ بتاؤ ادینہ۔۔" وہ اسے جھنجھوڑ کر بولے

"کیا ہو گیا ہے نانا ابو، یہ میرا شوہر ہے۔، یوسف مجید نام ہے ان کا، آپ کیسے جانتے ہیں اسے۔۔" اب کی بار وہ پریشانی سے گویا ہوئی

"کیونکہ میں اسے جانتا ہوں بہت اچھے سے جانتا ہوں، یہ میرے گاؤں میں رہتا تھا ایک جھگی والے کا بیٹا ہے، اس کی ماں میری حویلی میں کام کرتی تھی، ایک چھوٹی بہن تھی جسے ایک دن اس نے۔۔اس نے کتے کے آگے ڈال دیا۔۔"

"اس واقعے سے کچھ وقت پہلے کی بات ہے گاؤں سے چوزے، کبوتر، مرغیاں گم ہونے لگی تھیں۔جب گاؤں والوں کو یہ پتہ چلا کہ اس نے خود اپنی بہن کو کتے کے آگے ڈالا تھا انہیں وہ سارے واقعے یاد آئے، کڑیوں سے کڑیاں ملتی گئیں اور پتہ چلا کہ یہ انسان نہیں درندہ تھا۔۔" وہ یوسف مجید کے درندہ بننے کی کہانی میں اپنا کردار حذف کر چکے تھے، اور ہر گناہگار یہی تو کرتا ہے، اپنی کہانی کسی کو سناتے ہوئے وہ خود کو پارسا ثابت کرتا ہے۔ادینہ پھٹی

پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔اس کی میڈیکل کنڈیشن،وہ بچی کا کیس،کچھ دن پہلے ہونے والے واقعات۔۔۔اف وہ اتنے عرصے سے ایک درندے کے ساتھ رہ رہی تھی۔

دائم۔۔دائم اس کا بیٹا اس کے پاس تھا،وہ ایک جست میں اٹھی،پرس اٹھایا اور باہر نکلی، گیراج میں کوئی گاڑی نہیں تھی،وہ بھاگتی ہوئی روڈ تک گئی اور ایک ٹیکسی میں بیٹھی اسے ایڈریس بتا کر وہ مسلسل یوسف کا فون ملا رہی تھی مگر وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا۔پریشانی اور خوف سے اس کی آنکھیں بہنے لگیں۔گاڑی سے اترتے وہ یونہی بھاگتے بھاگتے لفٹ تک پہنچی مگر وہ شاید بند تھی وہ بنا انتظار کئے سیڑھیوں کی طرف بڑھی اس کا اپارٹمنٹ ساتویں فلور پر تھا۔ پندرہ بیس منٹ میں وہ اپارٹمنٹ کے دروازے پر تھی۔بکھری ہوئی سانسوں اور کانپتے ہاتھوں سے اس نے لاک کھولا،دھڑکتے دل سے اندر داخل ہوئی۔اپارٹمنٹ میں وحشت ناچ رہی تھی،ہر طرف سناٹا تھا۔وہ پاگلوں کی طرح چاروں طرف نظریں دوڑانے لگی،آواز حلق سے نکلنے سے انکاری تھی۔اس کی گھومتی ہوئی نظریں کچن کے سامنے آرکیں اور۔۔اور وہ منظر دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔۔

یاخدا۔۔یہ وہ کیا دیکھ رہی تھی۔کاش۔۔کاش وہ کچھ دیر پہلے آجاتی۔۔بیگ بے ساختہ اس کے ہاتھ سے نیچے جا گرا۔کھٹکے کی آواز پر یوسف نے سر اٹھایا، سرخ لہو رنگ آنکھیں، پسینے سے بھیگا ہوا چہرہ۔اور چہرہ پر خون کی چھینٹے۔وہ خون دائم کا تھا۔

"میرا بیٹا۔۔"دل سسکا تھا۔آنتیں تڑپ اٹھی تھیں۔سامنے اس کا تین ماہ کا بیٹا جسے وہ کچھ دیر پہلے ہنستا کھیلتا چھوڑ کر گئی تھی خون میں لت پت زمین پر پڑا تھا، پاس ہی اس کا باپ تھا جس کے ہاتھ میں ایک فورک تھا، وہ آگے بڑھی اور دائم کے پاس گر سی گئی۔اس کی گردن کی نسوں میں فورک مارے جانے کے اتنے نشان تھے کہ وہ جگہ کچلی گئی تھی۔

"میرا بیٹا۔۔"ایک سسکی اس کے ہونٹوں سے بلند ہوئی

"میرا بچہ۔۔"وہ دائم کو اٹھا کر اس کی گردن سہلانے لگی، گویا ایسا کرنے سے اس کی کٹی ہوئی، کچلی ہوئی نسیں ٹھیک ہو جائیں گی۔

"آنکھیں کھولو۔۔ماما کو دیکھو دائم۔۔"وہ بے بسی سے رو دی، ساتھ ساتھ گردن پر ہاتھ پھیرتی جا رہی تھی۔

کاش اس کے ہاتھ میں جادو ہوتا وہ جہاں ہاتھ پھیرتی وہ جگہ ہیل ہو جاتی۔کاش۔۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"دائم۔۔"اسے جواب نہ دیتے دیکھ وہ چیخ اٹھی تھی۔دائم کے گالوں پر ابھی بھی آنسوؤں کے نشان تھے،وہ نجانے کب تک روتا رہا تھا

"ادینہ۔۔"یوسف کی کپکپاتی آواز اسے اپنی پشت پر سنائی دی

"میں نے اسے مار دیا۔۔میں ایک درندہ ہوں،میں نے اسے مار دیا۔۔"وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھتا ایک ہی گردان کرتا جا رہا تھا،جبکہ ادینہ اپنے دوپٹے سے دائم کا چہرہ صاف کر رہی تھی۔

"یہ۔۔یہ رو رہا تھا۔۔یہ بہت رو رہا تھا۔۔میرے۔۔میرے سر میں درد ہو رہا تھا ادینہ۔۔مم۔۔میرے بہت درد ہو رہا تھا۔"وہ سسک رہا تھا۔ادینہ ایک جھٹکے سے اس کی طرف مڑی

"کیوں مارا تم نے میرے بیٹے کو؟"وہ بولی تو کہیں سے بھی وہ بچگانہ لہجے والی ادینہ نہیں لگ رہی تھی۔

"جواب دو مجھے۔۔درندے ہو تم۔درندے۔۔"وہ اس کا گریبان تھام کر چیخ اٹھی تھی۔فرش پر دھیرے دھیرے دائم کا خون پھیلتا جا رہا تھا۔

"میں درندہ نہیں ہوں، تم ایک فحاشہ عورت ہو۔۔یہ میرا بیٹا نہیں تھا۔یہ۔۔یہ اس حسان کا بیٹا تھا نا۔۔اس کا بیٹا تھا نا یہ؟" اگلے ہی پل یوسف کا چہرہ بدل گیا، چہرے پر ندامت کی جگہ غیض و غضب نے لے لی، اس نے ادینہ کو گردن سے پکڑ کر زمین سے اٹھا دیا۔

"نہیں۔۔نہیں۔۔ادینہ ایسی نہیں ہے، میری ادینہ ماں جیسی نہیں ہے، میں اپنے باپ جیسا نہیں ہوں۔" اگلے ہی پل وہ اسے چھوڑتا اپنا سر تھام گیا۔ادینہ کھانستے ہوئے نیچے گری، اس وقت اسے یوسف سے وحشت نہیں ہو رہی تھی، اس کے اندر صرف اشتعال تھا، اپنے بیٹے کے بدلے کا اشتعال۔ادینہ نے پاس پڑا واس اٹھا کر پوری قوت سے اس کے سر پر مارا۔

"میرے بیٹے کیوں مارا تم نے؟" وہ چیخ کر بولی

یوسف لڑکھڑا گیا۔سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس نے درد کو برداشت کیا مگر درد ناقابل برداشت تھا۔نظریں اٹھا کر سامنے کھڑی ادینہ کو دیکھا جو واس ہاتھ میں پکڑے آنکھوں میں شعلے لئے اسے دیکھ رہی تھی۔اس کی گردن کی رگیں اُبھری ہوئی تھیں۔نرم نرم سی رگیں، یوسف کا دل کیا فورک کا تیز کونا ان رگوں میں کھبو دے۔کیسا منظر ہو گا وہ۔

اگلے ہی پل اسے لگا وہاں اس کی ماں کھڑی ہے۔

"میری بیٹی کو کیوں مارا تم نے؟" وہ چیخ رہی تھی

پھر اسے اپنے باپ کی آواز سنائی دی

"یہ عورت بدکردار ہے، وہ بچہ تمہارا نہیں ہے، اسے مار دو یوسف۔۔"

ساری آوازیں اس درد کے ساتھ مل کر اسے اکسا رہی تھیں۔ اگلے ہی پل اس نے ہاتھ میں تھامے فورک پر گرفت مضبوط کی اور اسے پوری قوت سے ادینہ کی گردن میں گھاڑ دیا۔ ادینہ چیخ بھی نہ سکی، فورک کی لمبی نوکیلی سلاخیں اس کے حلق تک پہنچ گئی تھیں۔ اس کی آنکھوں کی سیاہ پتلیاں پشت پر چلی گئیں، اور وہاں سفیدی ہی سفیدی بکھر گئی۔ ہاتھ بے ساختہ گردن کے اس حصے پر گئے۔ اگلے ہی پل اس نے فورک نکالا، خون کی ایک دھار یوسف کے چہرے پر بکھری۔ اور اگلے ہی پل اس نے پے در پے کئی وار کئے۔ کچھ لمحوں بعد ادینہ کی گردن بالکل دائم جیسی ہو چکی تھی۔ کچلی ہوئی رگوں کا گچھا سا۔ یوسف نے اسے دھکا دے دیا۔ وہ دائم کی بغل میں ہی گر گئی۔ وہ خود ساکت آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ پہلی دفعہ اسے اس کا پسندیدہ منظر اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"ادینہ اٹھو۔اٹھو پلیز۔۔ایم سوری۔۔"وہ ادینہ کی گردن کی نسوں کو سہلاتا بے خودی میں بول رہا تھا۔

"ادینہ پلیز۔۔پلیز۔۔مجھے ایسے مت چھوڑو۔۔میں کیا کروں گا تمہارے بغیر۔۔ادینہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔۔"وہ بلکتا جا رہا تھا، مگر جواب ندارد۔۔

"ادینہ آئی ایم سوری۔۔رئیلی سوری۔۔اٹھ جاؤ پلیز اٹھ جاؤ۔۔"ادینہ اس کی گزارش نہیں سن سکتی تھی۔یوسف کو جب احساس ہوا کہ دیر ہو چکی ہے وہ شکست خوردہ سا گر گیا۔ کبھی اپنے بیٹے کو دیکھتا کبھی بیوی کو۔۔

"یوسف مت کریں ابھی وہ بہت چھوٹا ہے۔"نظریں اٹھائیں تو سامنے کچھ میں یوسف کھڑا تھا، وہ دائم کو اچھال رہا تھا جبکہ ادینہ اسے مسلسل روک رہی تھی، جبکہ دائم قہقہے لگا رہا تھا

"ادینہ اس نے مجھ پر سو سو کر دیا ہے۔۔"اسے اپنے پیچھے سے اپنی آواز سنائی دی۔ یوسف کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آیا تھا، ہاتھ میں دائم کو پکڑا تھا جو شاید باپ کی حالت کو انجوائے کر رہا تھا۔جبکہ ادینہ کھلکھلا دی۔

"وہ قلقاریاں، وہ قہقہے، وہ کھلکھلاہٹ۔۔

یوسف نے اپنی جنت خود برباد کر دی تھی۔

تو اب زندہ رہنے کا تو کوئی جواز ہی نہیں تھا۔اپنے جینے کی وجہ کو وہ خود ختم کر چکا تھا۔وہ یونہی کھوئے کھوئے انداز میں کچن میں گیا،ایک بڑی چھری پکڑی۔

"آئی ایم سوری ادینہ۔۔"یوسف نے ادینہ کی پیشانی چوم لی،یہ لمس ادینہ نے محسوس کیا تھا۔اس کا دماغ ابھی بھی کام کر رہا تھا۔آنسو کا ایک قطرہ آنکھ سے نکل کر کنپٹی میں جذب ہو گیا۔

اگلے ہی پل یوسف نے وہ چھری اپنی کلائی پر پھیر لی،دیکھتے ہی دیکھتے سارا لاؤنج ان کے خون سے بھر گیا۔

جبکہ یوسف نے لب گویا ادینہ کی پیشانی پر چپکا دیئے۔

"آئی ایم سوری میری جان۔۔"وہ یہی سرگوشیاں کرتا دم توڑ گیا۔

لاؤنج میں ان تینوں کا خون مل کر ایک نالی کی صورت میں خارجی دروازے کی طرف جانے لگا۔اور پھر قطرہ قطرہ کر کے بہنے لگا۔خون کے گرنے کی وہی ٹپ ٹپ۔یوسف کا ذہن اسے محسوس کر سکتا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جبکہ ادینہ کے ذہن میں ایک ہی آواز گردش کر رہی تھی، اس کے باپ کے رخصت کرتے ہوئے اس سے کہا تھا کہ:

"حیوان کہاں مرتے ہیں۔۔ حیوان نہیں مرتے۔۔ اگر حیوان مر جائیں تو دنیا میں بس فرشتے ہی رہ جائیں، پھر یہ دنیا کس نام کی ہوئی؟؟ یہ دنیا انہی حیوانوں کی وجہ سے چل رہی ہے۔ ہاں یہ کچھ دیر کے لئے سو جاتے ہیں۔۔ تھک کر۔۔ بھٹک کر۔۔ اور پھر ایک بھرپور نیند کے بعد اٹھتے ہیں۔ تازہ دم ہو کر۔۔ انگڑائی لیکر خود کو طاقت دیتے ہیں۔۔ اور پھر وار کرتے ہیں۔۔ گہرا وار۔۔ جو روح کو زخمی کر جاتا ہے۔ کیونکہ حیوان کی فطرت میں وار کرنا ہے۔۔ اگر آپ اس کی فطرت بدلنے کے متمنی ہیں تو آپ غلطی پر ہیں۔۔ حیوان نہیں بدلتے۔۔ نہ بدلتے ہیں نہ مرتے ہیں۔۔ ہاں شکلیں بدل لیتے ہیں۔۔ وار کرنے کے طریقے بدک لیتے ہیں۔۔ لیکن فطرت نہیں بدلتے۔۔"

ان تینوں کا خون یکجا ہو کر اب سیڑھیوں کی طرف بہہ رہا تھا، کسی راہ گزر نے دیکھا اور شور مچا دیا۔ کچھ ہی دیر میں وہاں پولیس پہنچ چکی تھی۔ مگر بے سود۔ سب ختم ہو چکا تھا۔

ختم شد

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

Clubb of Quality Content

www.novelsclubb.com

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842